کپال کنڈلا

از
گوری شنکر لال اختر

پبلشرز:۔ نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

کپال کنڈلا

رائے بہادر بابو بنکم چندر چیٹرجی کے مشہور و مقبول عام
بنگالی ناول کپال کنڈلا کا پُر لطف اردو ترجمہ

مترجمہ

منشی گوری شنکر لال اختر

جسکو
نرائن دت سہگل اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب
بیرون لوہاری دروازہ لاہور
نے
شری بالمکند سٹیم پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام پنڈت کشن گوپال کے چھپوایا

تعداد ۱۰۰۰ قیمت ۱۳/

کپال کنڈلا ایک نہایت ہی عجیب و غریب ناول ہے جس کی تحریری تصویر کے لطیف نقش و نگار اور باریک خط و خال رائے بہادر بابو بنکم چندر چیٹرجی سی آئی ای کے سحر نگار قلم نے دکھائے ہیں۔ بنگال میں اس ناول کی ہر دلعزیزی کا یہ حال ہے کہ ایک ایک پڑھا لکھا بچہ تک اسے جانتا ہے۔ سن رسیدہ دیرینہ سال آدمیوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ کلکتہ کے مشہور و معروف سٹار تھیٹر میں جب اس کا کھیل ہوتا ہے تو تماشائیوں کا وہ ہجوم رہتا ہے کہ تمام تھیٹر ہال کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ جگہ نہیں ملتی۔ ایک ایک فقرے پر زور شور سے تالیاں بجتی ہیں۔ عوام کی رائے ہے کہ بنکم بابو کے ناولوں کا سرتاج اگر کوئی ہے تو وہ کپال کنڈلا ہے۔ یہی نہیں کہ موجودہ زمانہ کے مشہور عالم انشاپرداز ڈاکٹر سر رابندرا ناتھ ٹیگور تک نے اپنے ناولوں میں بار بار اس کا ذکر خیر کیا ہے۔ ناول کیا ہے قدیم زمانے کے تبلیغی طرز معاشرت اور مذہبی رسم و رواج کا مؤثر فوٹو ہے۔ اس زمانہ میں بنگال میں تانترک پوجا کا رواج زور شور سے تھا۔ یہاں تک کہ اس کے انوشٹھان کرنے والے آدمیوں کا بلیدان کرتے تھے۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اکثر سیدھا سادا اور پڑھے لکھے شخص تک بھی بھوانی کے نام پر اپنے آپ کو بلیدان کے لئے پیش کر دیتے تھے ایسی مثالیں گو کثرت سے نہ ملتی ہوں۔ مگر یہاں تک پہنچتی ہیں کہ کمیاب اور نادر بھی نہیں ہیں۔ انسان کا دل کچھ عجیب و غریب چیز کا واقع ہوا ہے۔ وہ شدید مذہبی جذبات میں آ کر کیا نہیں کرتا اور کیا نہیں کرا دیتا۔ مردم خوری ہندوؤں کے نکتۂ نگاہ سے نہایت ہی معیوب قابل نفرت اور عظیم گناہ ہے۔ مگر اس طرح دیوی کے نام پر قربان کئے ہوئے آدمیوں کا گوشت کھانا بھی تانترک جائز سمجھتے تھے اور اسے مہاپرشاد کا خطاب دے رکھا تھا وہ اسے گناہ یا پاپ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ثواب اور پنیہ تصور کرتے

سب سے بڑی حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس
دھرم کے معتقدین کے جب کسی برہمن کا لڑکا
ہاتھ آجاتا تھا تو وہ اُس کی قربانی کو ثواب عظیم
تصور کرتے تھے اور اس کی قربانی کی جاتی تھی
وہ بڑا خوش نصیب سمجھا جاتا تھا۔ خبر نہیں
کہ اس آئین کا رواج اس مُلک میں کب سے
جاری ہوا تھا۔ جانوروں کی قربانی کا اہتمام
تو قدیم زمانہ میں بھی تھا اور ہم یقین کے ساتھ
نہیں کہہ سکتے کہ آیا آدمیوں کی قربانی زمانۂ سلف
کے وقت میں بھی ہوتی تھی یا کہ نہیں۔ نرمیدھ
کا لفظ کتابوں میں موجود ہے۔ اسومیدھ۔
نرمیدھ وغیرہ کی اب تاویل دوسری طرح کی جاتی
ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا یہ تاویل اس نام
کی نئی ہے یا پہلے بھی وہ اس معنی اور مراد
میں مستعمل تھے۔ اگر پہلے اس کا رواج رہا ہو
تو ہم کو اور ہر شخص کو کہنے کی جرأت ہو سکیگی
کہ تانترک پوجا کا بلدان پرانے نرمیدھ یگیہ
کی یادگار ہے۔ بہر حال اس قدر تو ہم تسلیم
کرتے ہیں کہ جس زمانہ کے حالات کے متعلق یہ
ناول لکھا گیا ہے اُس وقت بنگال دیش میں
تانترک خیال کے آدمی بہت تھے اور پوشیدہ
طور پر آدمیوں کو ہلاک کر کے اسے اپنی مغفرت
کا باعث خیال کرتے تھے۔ اس ناول میں

جادو نگار انشا پرداز نے ایک حد تک اس
مکروہ مذہب کا خاکہ کھینچنے کی نہایت ہی دلچسپ
اور کامیاب کوشش کی ہے بنگالی بکثرت
ایک دیوی کے معتقد ہیں۔ کالی مائی کے
مندر میں اب بھی روزانہ معصوم حیوانات کا
بلدان ہوا کرتا ہے۔ بیدی کی جگہ خون سے
رنگین رہتی ہے ہاں اب موجودہ گورنمنٹ
کے قانون کی وجہ سے انسان کی قربانی کا تذکرہ
نہیں سُنا جاتا۔ معیوب تو انسان اور حیوان
دونوں کی قربانیاں ہیں مگر خیر اب یہ پھر بھی
غنیمت ہے کہ بھولے بھالے انسان باطل
توہمات میں پھنسے ہوئے پجاریوں کے دام
میں اب نہیں آتے اور ایسے پجاریوں کی
نسل اب دُنیا سے معدوم ہو چلی ہے بابو
بنکم چندر چٹرجی نے اس افواج بد کی تصویر
کھینچنے کو کھینچ دی مگر بنگالی ہونے کی وجہ سے
وہ اس کو بُرا بھلا کچھ نہ کہہ سکے بلکہ ان کا طرز
بیان خود معتقدانہ ہے اور اس وجہ سے وہ
اور بھی دلکش و دلفریب معلوم ہوتا ہے۔
وہ نگار بڑے دانشمند اور با اثر ہوتے ہیں۔
جو اپنے الفاظ میں صحیح واقعات کی تصویر تو کھینچ
دیتے ہیں لیکن اپنی رائے یا خیال کو اس میں
شامل نہیں کرتے بلکہ اسے اپنے ناظرین کی

رائے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

اس ناول میں ایک خوبی یہ ہے اور دوسری خوبی یہ کہ دو بیر انگناؤں کو آمنے سامنے کھڑا کر کے ان کے سفلی جذبات کا نہائت ہی حسن لیاقت کے ساتھ مقابلہ کرایا ہے ایک شاہی دربار میں پلنے اور مقتدر ہونے کی وجہ سے فصیح الزبان مہذب اور چنچل سے کام لینے والی۔ جب دوسری جنگل کی آب و ہوا میں پرورش پانے کی وجہ سے نہائت ہی سادہ اور سیدھی سادی۔ اور قدرت کی اصلی لڑکی ہے وہ وحشی ہے آزاد مزاج ہے مجلسی قید و بند کو پسند نہیں کرتی۔ دل کی اس قدر نیک و سلیم ہے کہ دوسرے کی مصیبت پر صرف آنسو ہی بہانا نہیں جانتی بلکہ اپنی جان اور زندگی کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کی بہتری کو نثار کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے ایسی ایثار نفسی کی مثالیں آج کل دنیا میں کمتر دکھائی دیتی ہیں۔ ان دونوں میں ایک حد درجہ کی خود غرض اور بد باطن اور ریاکار ہے۔ دوسری نہائت ہی اولوالعزم نیک باطن اور نیکوکار ہے اور ان کا باہمی مقابلہ واقعی مؤثر اور دل پسند ثابت ہوا ہے۔

گو یہ ناول بہت ہی اچھا ہے مگر اس کی خاص بیرانگنا کپال کنڈلا کی زندگی کا پردہ بہت جلد گرا دیا گیا ہے۔ پڑھنے والے کی طبیعت چاہتی ہے کہ وہ اور بھی کچھ حالات معلوم کرے مگر افسوس! ناٹک کا پردہ گر جاتا ہے تماشہ کا ہال تیرہ و تار ہو جاتا ہے اور تماشائی کو بایوسی کیسا تھ اپنے گھر واپس آنا پڑتا ہے بنکم بابو نے اپنا کام کر دکھایا۔ الفاظ کے خط و خال میں بولتی ہوئی تصویریں دکھا گئے ممکن تھا کہ بعد میں کسی اور ناول میں اس کے آئندہ واقعات پر روشنی ڈالتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اس کا سبب ہم کو نہیں معلوم ہے وہ کپال کنڈلا کے حالات لکھ گئے مگر اشارہ کے طور پر اس قدر بتا بھی گئے کہ کپال کنڈلا نے جنگل سے بستی میں آکر مرن مئی کا نام پایا مرن مئی کے حالات کیا ہیں اسکو بنگال کے دوسرے جادو رقم ناولسٹ نے عجیب دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے جس کا تعلق صرف مطالعہ ہی سے ہے ناظرین با تمکین کو بنکم بابو کا یہ بے نظیر ناول پڑھنے کے بعد مرن مئی کا مطالعہ بھی ضروری ہے کیونکہ کپال کنڈلا کے تمام کیرکٹروں پر اس میں روشنی ڈالی گئی ہے اور کچھ ایسے دلکش انداز سے لکھا گیا ہے کہ طبیعت پر ایک خاص اثر پڑتا ہے ناول میگزین کے مستقل خریداروں کو مرن مئی نصف قیمت ۱۲ میں ملیگا۔ اور مجھے پوری پوری امید ہے کہ اس سال کے تمام ناول اجد بچہ کے اخلاق آموز مؤثر اور دلچسپ ثابت ہونگے

کپال کنڈلا

پہلا باب

گنگا ساگر

تقریباً ڈھائی سو برس گذرے یاتری
تیرتھ یاترا کرنے کے ارادہ سے گنگا ساگر گئے
تھے کشتی پر سوار تھے اس وقت اس ملک میں
پرتگیز ڈاکوؤں کا زور تھا یہ آئے تو تھے تجارت
کرنے مگر رفتہ رفتہ ملک کے کئی حصوں پر قابض ہو
گئے۔ بنگالہ میں ان کی کمزور جماعت دریا میں ڈاکہ
مارتی تھی جہاں کوئی اکیلی کشتی نظر آئی اور وہ
اس پر ٹوٹ پڑے سب کچھ لوٹ مار کر لے گئے
اس لئے اکثر ملاح کئی کشتیوں کا قافلہ بنا کر چلتے
تھے۔ مگر اتفاق کی بات یہ کشتی بالکل اکیلی تھی اور
ملاح اسے نئے سرے پر ہچکولے کھاتی چلی جاتی
تھی۔ رات خوب بھیگ گئی تھی زور کا کُہر پڑ
رہا تھا۔ جدھر نگاہ جاتی تھی۔ ایک سیاہ غلاف
سا چڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ملاحوں کو کچھ پتہ نہ
لگا کہ کشتی کس طرف جا رہی ہے نیند نے تمام
عالم پر ایک گھٹا ٹوپ تاریکی پھیلا دی تھی
اور ملاح سو رہے تھے ایک معمر ضعیف اور
ایک باحوصلہ نوجوان صرف یہی دو شخص جاگتے
تھے دونوں آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔
گفتگو کو روک کر بوڑھے نے ملاح سے پوچھا
کیوں ملاح آج کتنی دور جا سکو گے چند لمحہ تامل
کے بعد ملاح بولا۔ کچھ نہیں کہہ سکتے ملاح کا یہ ٹکا
جواب سنکر بوڑھا طیش میں آگیا اور ملاح کو لعن طعن
کرنے لگا۔ نوجوان نے لجاجت آمیز لہجہ میں
کہا۔ صاحب! جو بات ایشور کے ہاتھ میں
ہے اُس میں پنڈتوں کو بھی لب کشائی کی
جرأت نہیں ہوتی۔ کوئی کیا جان سکتا ہے
یہ کوتہ فہم نادان کیا کہیگا آپ گھبرائیں نہیں!
بوڑھا تمکنت سے زوردار لہجہ میں بولا
کیا کہا! گھبرائیں نہیں۔ ڈاکو بیس ۲۰ پچیس ۲۵ بیگھہ

دھان کاٹ لے گئے۔ اب ایک برس تک لڑکے بالے کیا کھائیں گے؟"

یہ بات اُس نے گنگا ساگر پہنچنے پر دوسرے یاتریوں سے سُنی تھی۔ نوجوان بولا "میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ کے گھر میں کوئی دوسرا انتظام کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو تیرتھ یاترا کرنا مناسب نہیں ہے۔"

بُڈھا پھر غصہ آمیز لہجہ میں بولا "ہم کیسے نہ آتے؟ زندگی کے تین حصے گذر گئے۔ چوتھے حصے میں قدم رکھا ہے۔ اب بھی اگر پرلوک کا خیال نہ کریں تو پھر کب کریں گے؟"

نوجوان نے کہا "لیکن اگر آپ شاستر کو بغور دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پرلوک کا جو پھل تیرتھ کے درشن سے ملتا ہے وہ گھر بیٹھے بھی مل سکتا ہے۔" بوڑھے نے پوچھا "پھر تم کیوں آئے؟" نوجوان نے جواب دیا "میں نے پہلے ہی آپ سے کہدیا تھا کہ مجھے سمندر کی سیر کا نہایت اشتیاق تھا۔ اور میرے آنے کی صرف یہی ایک غرض ہے۔" اس قدر کہنے کے بعد اُس نے نہایت ہی ملائم اور شیریں لہجہ میں یہ بھی کہا "آہا! جو کچھ میں نے دیکھا ہے اُسے جنم جنم تک کبھی نہ بھولوں گا۔"

سیر دریا کا تماشہ دیکھئے
دل کو اپنے سیر سے خوش کیجئے
بحر ہے ذخار موجیں بے حساب
ہر جگہ گرداب کے ہیں پیچتاب

بُوڑھا کسی اور ہی خیال میں محو تھا۔ اُس کے کان اس شاعری کی طرف نہیں تھے۔ بلکہ وہ بغور ملاحوں کی بات چیت سُن رہا تھا۔ ایک ملاح دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "بھائی کام بگڑ گیا۔ ہم لوگ ندی کی دھار سے باہر نکل آئے۔ اب سمندر کے کس حصے میں ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اس کا ذرا بھی علم نہیں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی!" کہنے والے کے لہجے سے دلی خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ بُڈھے نے سوچا۔ کوئی نہ کوئی آفت سر پر آگئی۔ پھر ملاح کی طرف مخاطب ہو کر حیرت انگیز لہجہ میں بولا "کیوں ملاح کیا ہوا؟" ملاح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر نوجوان جواب کا انتظار کئے بغیر باہر آگیا۔ اُس وقت صبح کے دو ایک مدھم ستارے پانی میں مسکراتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا تھوڑی دیر بعد نور روشن کا ظہور ہوگا۔ اور تمام عالم تختۂ نور بن جائے گا۔ کہر سے چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور بغور دیکھنے پر اس میں تارے جھلملاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ نوجوان نے سمجھا کہ ملاحوں کو دشا بھرم ہو گیا ہے۔

نہیں معلوم کہ کشتی کا رُخ کس جانب ہے؟ ایسا
نہ ہو کہ سمندر کے کسی گہرے حصے میں آجائیں
اور مُفت میں اپنی جان کھو دیں۔ اس وجہ سے
اس کا دل بھی خوف کے اتھاہ ساگر میں اس کشتی
کی طرح جو بغیر بادبان کے ہو ہچکولے کھانے لگا۔
برف اور پالا سے بچنے کے لیے سامنے
پردے ڈال دیے گئے تھے اس وجہ سے کشتی
کے آدمیوں کو باہر کی حالت کا ذرا بھی علم نہ
ہوتا تھا۔ نوجوان دم کے دم میں اصل حال جان
گیا اور بوڑھے کو اس خوفناک حالت کی خبر سنائی
اب تو سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک شور
مچ گیا۔ کشتی میں عورتیں بھی تھیں ان میں سے
کئی جاگ اٹھیں خوف سے تھر تھر کانپتی ہوئیں
رونے چلانے لگیں۔ بوڑھے نے کہا "کشتی
کو کنارے لے چلو اور اُتر پڑو" نوجوان نے
ہنس کر کہا "اگر یہی معلوم ہوتا کہ کنارہ کہاں ہے
تو اس مصیبت میں جان بوجھ کر کون پڑتا؟"
یہ آخری الفاظ سُن کر تمام یاتریوں کے
دل میں ایک خوف آمیز ہلچل مچ گئی اور وہ شور
مچانے لگے۔ نوجوان نے کسی طرح ان لوگوں کو
سمجھا بجھا کر خاموش کیا۔ اور ملاحوں سے کہا
"گھبرانے اور ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔
ذرا دیر میں صبح ہونے ہی کو ہے سورج نکل آیا
تو پھر کشتی ڈوبنے سے یقیناً بچ جائے گی۔
کشتی کا کھینا موقوف کر دو۔ اسے دھار کے
حوالہ کر دو۔ دھار جہاں چاہے وہاں لے
جائے۔ سورج نکلنے پر غور کیا جائیگا۔ ملاحوں کو
بھی یہ رائے پسند آگئی ۔

بہت دیر تک ملاح رُکے رہے یاتریوں
کی جان میں جان نہیں تھی نسیم سحری اٹھلاتی
ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ لہروں کے
جھکولوں میں بھی اتنا زور نہیں تھا وہ بھی مستانہ
ادا سے چل رہے تھے۔ یاتری چپ چاپ درگا
جی کا نام جپنے لگے اور عورتیں باآواز بلند دیوتا
منانے لگیں ۔

کشتی میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس نے
اپنے مُردہ لڑکے کی لاش سمندر کے حوالہ کر
دی تھی وہ بیشک نہیں روتی۔ باقی عورتوں
کی آنکھوں سے چھما چھم آنسوؤں کا مینہ برس
رہا تھا۔ انتظار کرتے کرتے ایک پہر دن چڑھ
آیا۔ ملاح اپنے پانچ پیروں کی زور شور سے
عقیدت آمیز لہجہ میں منتیں کرنے لگے۔ عورتوں
نے گھبرا کر کہا "پھر کیا؟" ملاحوں نے بلند آواز
سے شور و غل مچاتے ہوئے کہا سورج نکل آیا۔
ایک پہر دن بھی چڑھ آیا۔ جہاں ہماری کشتی
آن پہنچی ہے وہ مہا ساگر نہیں بلکہ کسی دریا

کا دہانہ ہے۔ ندی کا پھیلاؤ خوفناک ہے۔ دُور
تک کہیں کنارہ نظر نہیں آتا۔ جدھر دیکھئے آسمان
ہی آسمان دکھائی دے رہا ہے۔ پانی کی بھی
عجیب رنگت ہے۔ بالخصوص اس جگہ کا پانی
کچھوے کی پیٹھ کے ملے جلے رنگ کی طرح گدلا
ہے۔ اس سے ذرا دُور کا پانی بالکل نیلا ہے۔
کشتی والوں کو خیال تھا کہ ہم سب لوگ گہرے
سمندر میں آ پہنچے مگر خوش قسمتی کی بات یہ تھی
کہ زمین کا ایک ٹکڑا نظر آ رہا تھا۔ غور سے
دیکھنے پر وہ سمندر کا مغربی ساحل معلوم ہوا
یہ دیکھ کر طبیعت کو کسی قدر اطمینان ہوا
جان میں جان آئی۔ ڈھارس بندھی کشتی
سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ندی کے گرتے
ہوئے پانی کا چند ملار اور سنگم کے داہنے
کنارے ریتلی زمین پر بے شمار پرند محو
رقص تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی دلکش
اور عجیب و غریب تھا۔ یہی ندی آج کل
رسول پور کی ندی کہلاتی ہے۔

دُوسرا باب

ریتلا ٹیلا

رام رام کر کے یاتریوں کی جان میں جان
آئی۔ ملاحوں نے کہا "جوار کے آنے میں
دیر ہے۔ اس عرصہ میں آپ لوگ ریت پر
کھانا پکا لیں۔ جب پانی میں کچھ جوش کے
آثار نظر آئیں گے۔ تب کشتی لے چلیں گے۔
یاتریوں میں سے بہت سے بھوک سے
بیتاب تھے۔ اس لئے سب کو یہ بات
پسند آئی۔ کشتی کنارے سے لگا دی گئی۔
سب اتر پڑے نہا دھو کر پوجا پاٹ کرنے
کے بعد پھر کھانا پکانے کی فکر ہوئی مگر مشکل
یہ تھی کہ کشتی میں لکڑی نہیں تھی جنگل میں
شیر اور ریچھ کا خوف تھا۔ کوئی شخص
راضی نہیں ہوا۔ کہ وہاں سے سوکھی
لکڑی کاٹ لائے۔ تب بوڑھے نے نوجوان
شخص سے کہا "بابو نوکمار! اگر تم لکڑی
کا انتظام نہیں کرتے تو یہ سب بے موت ہی
مر جائیں گے۔

نوکمار نے ذرا تامل کے بعد دلیرانہ

لہجہ میں کہا۔ بہتر ہے! کوئی شخص میرے ساتھ کلہاڑی لے کر چلے۔ مگر سب گھبرائے تھے۔ کسی نے ساتھ جانا منظور نہ کیا اور سب یہی کہتے رہے وقت پر دیکھا جائیگا۔ مجبوراً نوکمار نے کلہاڑی لیکر تن تنہا جنگل کا راستہ لیا۔ وہ ساحل کی ٹیلی پہاڑی پر چڑھا۔ جہانتک نظر جاتی تھی بستی کا نام و نشان نظر نہیں آتا تھا۔ جگہ بڑی خوفناک تھی ہر طرف جنگل ہی جنگل دکھائی دیتا تھا۔ بڑے بڑے سر بفلک درخت تھے۔ صرف کہیں کہیں ایسی جگہ تھی جو درختوں سے خالی تھی۔ مگر یہ درخت ایسے نہیں تھے جن سے لکڑی کاٹی جاتی ہوا کی سنسناہٹ سے دل دہل رہے تھے نوکمار ایندھن کی تلاش میں آگے بڑھا۔ آخر اُسے ایک خشک درخت دکھائی دیا اُس میں سے ضرورت کے موافق لکڑی کاٹ لی اور بوجھ باندھکر اُٹھا لیا بیچارے نے کاہے کو کبھی ایسا کام کیا تھا لکڑی کا بوجھ اُٹھا کر لے چلنے میں اُسے بہت تکلیف محسوس ہوئی تاہم دوسروں کے آرام کے خیال سے گرتے پڑتے اُٹھتے بیٹھتے چلتے سستاتے لگے بڑھا۔ ہمدرد دل اور دردرس طبیعتیں دوسروں کی آرام لینت کے خیال سے کیا کیا دکھ نہیں اٹھاتیں ایسے لوگوں کی ذاتی عیش و آرام کی طرف توجہ ہی نہیں جاتی۔

نوکمار جیسے شخص کے لیے سر پر بوجھ لے کر چلنا آسان کام نہیں تھا اُٹھتے بیٹھتے جا رہا تھا۔ اِدھر ساتھ والے بے چین ہو رہے تھے۔ کچھ دیر انتظار کر کے جب اُن کی صورت نظر نہیں آئی۔ سمجھ گئے کہ شیر وغیرہ کھا گیا مگر کسی کی ہمت نے تقاضا نہیں کیا کہ دس بیس قدم آگے جا کر ان کی تلاش کرتے۔

وہ اسی حیص بیص میں تھا کہ سمندر جوش و خروش سے لہریں مارنے لگا۔ ملاحوں نے سمجھا جوار آگیا۔ ایسے وقت میں اکثر کنارے کی زمین کھسک کر پانی میں مل جاتی ہے اور کشتیوں کے ٹوٹنے کا خوف رہتا ہے۔ مجبوراً کشتی پانی کی دھار میں کھینچ لائے اتنے میں ریتیلے ٹیلے کا کچھ حصہ غرقاب ہو گیا یاتری بڑی مشکل سے کشتی پر سوار ہو گئے جو کچھ کھانے پینے کا سامان باہر لائے تھے سب دم کے دم میں پانی کی خاص و زن دھار بہا لے گئی۔ ملاح کچھ بہت تجربہ کار نہیں تھے کشتی کا ہی سنبھالنا اُن کیلئے

مشکل ہو گیا۔ جوں توں کر کے کسی طرح کشتی کو رسول پور کی ندی میں گھسا دیا گیا۔ ایک شخص کی زبان سے نکلا "نوکمار تو رہ گئے"۔ ملاح نے ترش روئی سے جواب دیا۔ "او! نوکمار تمہارا کون ہے۔ اُسے تو شیر کھا گیا!!"

کشتی پانی کی سطح پر ہچکولے کھانے لگی۔ ملاحوں نے بڑی دقت سے اُسکو سنبھال رکھا اگر چہ گھنٹہ کا مہینہ تھا۔ سردی جوبن پر تھی۔ ہوا سن سن چل رہی تھی تاہم اُن کی پیشانیوں پر پسینہ آ گیا اور کشتی تیزی سے پانی کی دھار میں جھکولے کھاتی ہوئی بہ نکلی پانی کی تیز رو اور بہاؤ نے اسے دھار کے بیچ میں ڈال دیا۔ سب کا ارادہ تھا کہ جوار کا زور گھٹ جائے تو پھر کنارے آکر نوکمار کا انتظار کریں مگر سب کے چھکے چھوٹ گئے اور تھکے بعد دیگرے سب کے دلوں سے اس کا خیال محو ہو گیا۔ نوکمار نو صرف یاتریوں کا ہمسایہ تھا۔ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار کشتی پر نہیں تھا۔ اس کے سوا یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے انتظار میں رات ہو جائیگی۔ اور پھر دوسرے دن کے جوار کا انتظار کرنا پڑے گا۔ کون کسی کی خبر لے بھوک آگ ستا رہی تھی۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ سب نے اپنے دل کو بہلانے کے لیئے مان لیا کہ نوکمار کو شیر کھا گیا۔ اب اس کا واپس آنا صرف خواب و خیال ہے۔

یاتریوں نے نوکمار کو چھوڑ کر چلنے چلانے میں اپنی خیریت سمجھی اور اسی حالت میں نوکمار کو یقینی موت کے پنجے میں چھوڑ گئے۔

یہاں اگر کوئی اس واقعہ کو سنکر یہ ارادہ کرلے کہ ایسے نازک وقت میں بھوکوں کے کھلانے کے لئے کوئی شخص جنگل سے لکڑی لانیکا قصد کرے تو لوگ اس کو قابل نفرت تصور کریں گے جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور دوسروں کی مدد کرنا جن کی زندگیوں کا خاصہ ہو گیا ہے وہ کب اپنی عادت چھوڑنے والے ہیں۔ لاکھوں تکلیفیں ہوں ہزارہا پریشانیاں آئیں نیک کام کرنے والے ہمیشہ نیک ہی کام کریں گے جو اُن کو باز رکھنا چاہے گا وہ اسے بزدل کمینہ اور خود غرض سمجھکر بُرا بھلا کہیں گے۔

تیسرا باب
سنسان جنگل

جس جگہہ نوکمار کو چھوڑکر یاتری چلے گئے وہاں اس وقت دولت پور اور دریاپور نالی دو چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں لیکن جس زمانہ کا ہم تذکرہ کرتے ہیں اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی مگر جس طرح بنگال کی زمین زرخیز ہے وہ ویسی نہیں ہے رسول پور کے دہانے سے "سوبرن ریکھا" تک کئی میل کی وسعت میں پھیلا ہوا ریتلا میدان ہے اگر ذرا اونچا ہوتا۔ تو اسے پہاڑی کہنا ناموزوں نہ ہوتا۔ اس وقت لوگ اسے ٹیلے کہتے ہیں۔ جگہہ نہایت پُرفریب ہے اس ریتی کی چوٹی پر دوپہر کی سورج کی کرنیں تو ایسے پریوں کی طرح ناچتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس پر اونچے درخت پیدا نہیں ہوتے ٹیلوں کے ادھر ادھر چھوٹے چھوٹے نمادار کٹیلے درخت اُگتے ہیں۔ لیکن اس کا درمیانی حصہ بالکل صاف ستھری زمین ہے اس پر درخت کا نام ونشان نہیں۔ آس پاس زمین پر پھیلنے والی جھاڑیاں جھاؤ اور جنگلی پھولوں کے درخت اس رونق کو دوبالا کرتے رہتے ہیں۔

نوکمار اسی جگہہ لکڑی کاٹنے کے لیے آیا تھا۔ لکڑی کا بوجھ لیے ہوئے جب ندی کے کنارے پہنچا تو وہاں کشتی اور بیڑہ کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اس وقت اس کا دل خوف سے مغلوب ہو گیا تاہم اُسے یقین نہ تھا کہ ساتھی اس طرح بے مروتی سے چھوڑ کر چلے گئے ہونگے۔ اُس نے سوچا جوار کے پانی سے لبریز ہو جانے کی وجہ سے ملاح کشتی کو کہیں اوٹ لے گئے ہوں گے۔ کیا عجب وہ جلد اُس کی تلاش میں پھر وہاں آئیں۔ اس امید میں بیچارہ کچھ دیر تک وہاں بیٹھا بیٹھا راہ دیکھتا رہا لیکن نہ کشتی آئی اور نہ کوئی ملاح ہی نظر آیا۔ نوکمار بھوک سے بہت بےحس تھا۔ "الانتظار اشد من الموت" مشہور ہے۔ بےبسی سے وہ کنارے سے

گھومنے لگا کشتی کا کہیں پتہ نہ ملا جب کشتی نہ آئی تو وہ سوچنے لگا کہ شاید جوار کشتی کو بہالے گیا اور اس کی واپسی میں ابھی دیر ہے۔ لیکن جب جوار کا زور گھٹ گیا اس نے سوچا کہ مخالف دھار کی وجہ سے کشتی کے آنے میں دیر ہو رہی ہے۔ بھاٹا کے وقت وہ ضرور لوٹ کر واپس آئے گی۔ مگر آہستہ آہستہ بھاٹا بھی رفت گذشت ہو گیا۔ دن ڈھل چلا۔ شام ہو گئی اگر کشتی لوٹنے کو ہوتی تو اب تک لوٹ آتی ؟

تب نوکمار کو یقین ہو گیا کہ یا تو کشتی جوار کے وقت ڈوب گئی اور یا اس کے ساتھی اسے جنگل میں چھوڑ کر چلے گئے۔ نوکمار نے دیکھا نہ کہیں گاؤں ہے نہ بستی۔ آدمی آدم زاد، کھانا نہیں پینے کے لئے پانی بھی نہیں ندی کا پانی بہت کھارا ہے بھوک پیاس بہت ستا رہی تھی سردی خوب زوروں پر تھی۔ اس سے بچنے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ سر پر کپڑا تک نہیں کہ اس سردی کے وقت ندی کے کنارے اور برف برسانے والے آسمان کے نیچے اس طرح بے بسی سے پڑا رہنا ہوگا۔ ان کو شیر اور ریچھ کا خوف ہے۔ اب مرنے میں کیا کسر باقی رہ گئی ؟

دل کی اضطرابی بڑھتی گئی۔ نوکمار ایک جگہ بہت دیر تک نہ بیٹھ سکا۔ کنارہ چھوڑ کر ادھر ادھر گھومنے لگا۔ آہستہ آہستہ تاریکی چھا گئی آسمان پر ستارے چمکنے لگے نوکمار کی طبیعت قدرتاً نہایت متحمل واقع ہوئی تھی اس کی وجہ سے گاؤں میں بڑی رونق تھی تھی۔ اپنی رنگینی اور لطافت سے آج اس غیر آباد جگہ کی رونق بڑھانے لگے۔ چاروں طرف وحشت ناک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہو کا عالم تھا کسی جاندار کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی۔ ہاں اگر کوئی صدا کانوں میں آتی تھی تو سمندر کی لہروں کی آپس میں ٹکرانے کی اور جنگلی جانوروں کی ہیبت ناک آواز! یہ آوازیں خیالات کے قدم میں زنجیر گرانبار کا کام کرتی اور مایوسی کو اور بھی بڑھاتی تھیں تاہم وہ برابر ریت پر گھومتا ہی رہا۔

کبھی نیچے کبھی اوپر کبھی قدم آہستہ پڑتا تھا کبھی تیزی سے چلنے میں قدم قدم پر کیڑے مکوڑوں کے دبنے اور کچل جانے کا خوف تھا مگر ایک جگہ بیٹھے رہنے میں بھی جان کا خطرہ تھا۔

گھومتے گھومتے نوکمار تھک کر چور ہو گیا۔ دن میں دانہ پانی نصیب نہیں ہوا تھا۔

ماندگی بڑھ گئی مجبور ریتی پر بیٹھ گیا۔ قوت متخیلہ نے گھر کے عالیشان مکان کی یاد دلائی کچھ دیر تک اسی پر سرور خواب کے مزے لیتا رہا جب جسمانی اور روحانی تکلیف بڑھ جاتی ہے تو کبھی کبھی خود بخود نیند آجایا کرتی ہے نوکمار سو گیا اگر نیند اسطرح نہ آیا کرتی تو خبر نہیں دُنیا کا کیا حال ہوتا؟

چوتھا باب

ریت کی چوٹی پر

رات زیادہ بھیگنے پر نوکمار کی نیند اُچٹ گئی۔ ابھی تک شیر نے اُس پر حملہ نہیں کیا تھا وہ سخت متعجب تھا۔ تاریکی بدستور سیاہ چادر اوڑھے تھی یکایک اُسے دُور پر کچھ روشنی دکھائی دینے لگی۔ آنکھیں اُس روشنی کی طرف رجوع ہوئیں اور وہ روشنی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ غور کرنے پر معلوم ہُوا کہ یہ آگ کی روشنی ہے۔ یقیناً یہ آگ کسی آدمی نے ہی روشن کی ہوگی۔ اِس خیال سے جان میں جان آئی۔ از سرِ نو زندگی کی امید ہوئی۔ نوکمار اُٹھا اور روشنی کی طرف قدم بڑھاتا ہُوا تیزی سے چلا۔ یکایک دل میں خیال آیا کہ اِس روشنی کا باعث کوئی اور شے ہی نہ ہو۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا زندگی کی اُمید میں انسان خود بخود خطروں کے مُنہ میں جا کر گرا کرتا ہے۔ ڈُوبتے کو تنکے کا سہارا ہی بہت معلوم ہوتا ہے۔ اِس وجہ سے وہ بیخوف ہو کر روشنی کی سمت چلا۔ جھاڑی درخت اور بکثرت لتاؤں کو روندتا ہُوا بڑھا جاتا تھا ایسے موقعوں پر انسان کے دل میں ایک خاص قسم کی تیزی آجاتی ہے۔ وہ رُکاوٹوں کی پرواہ کمتر کرتا ہے۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے پر معلوم ہُوا کہ ریت کا اُونچا ٹیلا ہے۔ اِس کی چوٹی پر آگ روشن ہے اور کوئی آدمی بُت کی طرح وہاں بیٹھا ہُوا ہے۔ نوکمار ٹیلے پر چڑھنے لگا طرح طرح کے خیالی اوہام دامنگیر ہوئے مگر بیخوفی سے چوٹی پر چڑھ گیا۔ وہاں بُت کی حالت دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ٹھہروں یا چلا جاؤں۔ اِس کا تصفیہ کرنا مشکل تھا۔ قوت

فیصلہ نے جواب دیدیا۔

چوٹی پر بیٹھا ہوا آدمی آنکھیں بند کئے ہوئے دھیان میں محو تھا۔ نوکمار اسے پہلے نہ دیکھ سکا تھا۔ اب اس پر نظر پڑ گئی اس کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی جسم پر کوئی کپڑا ہے یا نہیں اس کی وہ تمیز نہ کر سکا۔ مگر شیر کی کھال سے بندھی تھی۔ گلے میں رودراکش کی مالا پڑی تھی۔ لمبی لمبی جٹائیں منہ پر بھبوت ملی ہوئی۔ لکڑیاں اس کے سامنے جل رہی تھیں اور اسی آگ کی روشنی اس کو وہاں لائی تھی۔ منظر خوفناک تھا۔ بدبو آرہی تھی۔ نوکمار اس کا سبب جان گیا۔ جٹا دھاری آدمی انسان کی ایک سڑی گلی لاش پر بیٹھا ہوا منتر پڑھ رہا تھا۔ سامنے ہی مردے کی کھوپڑی کھلی رکھی تھی اور اس کی رودراکش کی مالائیں مردے کی ہڈیوں کے ٹکڑے جابجا گتھے ہوئے تھے۔ کھوپڑی میں سرخ رنگ کا پانی نظر آیا۔ پانی نہیں تھا بلکہ خون تھا۔ خوف کی وجہ سے اس کے پاؤں زمین میں گڑ گئے۔ پاؤں میں جیسے کسی نے بیڑیاں ڈال دیں۔ تھوڑی دیر تک وہ بےحس و حرکت کھڑا رہا۔ نہ آگے بڑھ سکا نہ پیچھے ہٹ سکا۔ اس نے اگھوریوں کے قصے سن رکھے تھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص اگھوری ہے اگھوری کا ہی دوسرا نام کپالک ہے۔ کپال سر کی کھوپڑی کو کہتے ہیں جس کے ہات میں مردہ انسان کی کھوپڑی ہو وہ اگھوری یا کپالی کہلاتا ہے۔

کپالی دھیان میں تھا۔ کچھ جاپ کر رہا تھا۔ آنکھ کھلنے پر نوکمار کو دیکھا۔ پوچھا "کون ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ براہمن ہوں۔

کپالی نے کہا۔ ٹھہرو۔ یہ ٹھہر گیا۔ سوال و جواب سنسکرت زبان میں ہوئے۔

کھڑے کھڑے آدھ گھنٹہ گذر گیا کپالی اٹھا۔ بولا "دیوی بھگوتی بھیروی کو راضی کرنے کے ساتھ چلو۔"

نوکمار اس کے ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں کسی قسم کی کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ تھوڑی دور پر ایک پھوس کا جھونپڑا نظر آیا کپالی اس میں داخل ہوا اور نوکمار کو اندر آنے کا حکم دیا۔ یہ اندر چلا گیا۔ کپالی نے معلوم نہیں کس ترکیب سے آگ جلا کر روشنی کی۔ تمام جھونپڑا جگمگ جگمگ کرنے لگا۔ اس روشنی میں نوکمار نے دیکھا کہ زمین پر شیر کی کھال بچھی ہے اور ایک پانی کا گھڑا رکھا ہے

کپالی بولا "پھل پھول اور جڑی کھاؤ
پتوں کو دونا بنا کر پانی پیو۔ اور اس شیر
کی کھال پر لیٹ کر آرام سے سو جاؤ۔ بے
خوفی سے آرام کرو۔ شیر نہ آئے گا۔ میں
وقت پر تم سے خود آکر ملوں گا۔ بغیر مجھ
سے ملے ہوئے کہیں نہ جانا۔

یہ کہکر کپالی تو چلا گیا۔ نوکمار کھانے
پینے کے بعد باگھمبر پر لیٹ گیا۔ تکان سے
تمام بدن چور چور ہو رہا تھا۔ نیند آگئی اور
چپ چاپ پڑ کر سو رہا۔

پانچواں باب

سمندر کا کنارہ

صبح ہوئی تو نوکمار اٹھا۔ گھر چلنے کی خواہش
ہوئی۔ کپالی کا انتظار کرنا فضول تھا۔ مگر
مشکل تو یہ تھی کہ اس خوفناک اور گھنے جنگل
سے باہر کیونکر نکلے۔ کپالی کو راستہ کی خبر ہے
مگر کیا وہ پوچھنے سے بتا دیتا۔ ابتک اس نے
اس سے اس قسم کی گفتگو نہیں کی تھی۔ کپالی
نے تنہا ادھر ادھر جانے کو منع کیا تھا۔ ممکن ہے
چلے جانے پر اس کو غصہ آجائے۔ نوکمار
جانتا تھا کہ کپالی سخت ہیبت ناک عمل
کرتے ہیں۔ ان کو منتر کی سدھی حاصل ہوتی
ہے۔ ان کی بات نہ ماننا مناسب نہیں ہے
یہ سب باتیں سوچ سمجھ کر کچھ دیر تک وہاں ہی
ٹھہرا رہا۔

آہستہ آہستہ دن چڑھ آیا۔ پہلے بھی
اس کو غذا نہیں ملی تھی۔ آج زور کی بھوک
ستانے لگی۔ جھونپڑے میں جو پھل پھول تھے
اس نے سب کے سب کھا لئے تھے۔ اگر
اب کچھ کھانے کو نہ ملا تو تکلیف ہوگی۔ غریب
تین پہر تک اسی سوچ فکر میں رہا۔ اب
دن تھوڑا رہ گیا ہے کھانے کی تلاش کرنا
ضروری ہے۔ وہ پھل کی تلاش میں باہر نکلکر
ادھر ادھر گھومنے لگا۔ دو ایک پھلدار
درخت تھے ان کے پھل توڑ کر کھائے۔
بادام جیسی لذت تھی۔ پیٹ بھر گیا۔ اشتہا
جاتی رہی۔ سیری ہو گئی۔

دیکھا ریت کا پھیلاؤ صرف تھوڑی ہی
دور تک ہے اس کے پار ہو گیا پھر جنگل ملا
اس میں داخل ہوا آدمی کے پاؤں تک کے

نشان کہیں نہیں تھے۔ راستہ بھول گیا۔
اور پھر یہ خیال بھی نہیں آیا کہ کدھر سے آیا
ہے اور کس طرف جا رہا ہے۔ پانی کی لہروں
کی آواز سنائی دی۔ سمجھ گیا۔ سمندر کا کنارہ
قریب ہے۔ جنگل سے باہر نکلا۔ موجیں مارتا
اور لہراتا ہوا سمندر دکھائی دیا۔ نیلگوں آسمان
چاروں طرف دکھائی دے رہا تھا۔ دل
بھر آیا اور مایوس ہو کر ریت پر بیٹھ گیا۔ جدھر
نظر جاتی تھی۔ سمندر کی سطح پر جھاگ ہی جھاگ
دکھائی دیتی تھی۔ لہریں زور شور سے ایک
دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور ان کے
درمیان جھاگ کی سفید میلی مالا کے دانے
ابھرے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ نہایت
ہی عجیب و غریب نظارہ تھا۔ عقل حیران ہے
کوئی کیونکر اس دلکش نظارہ کا نقشہ کھینچے۔

سورج غروب ہونے پر آیا۔ آسمان
پر شفق کی سرخی دوڑ گئی۔ اس کا عکس پانی میں
ایسا دلفریب معلوم ہوتا تھا جیسے آگ میں تپا
ہوا سونا اپنی سرخ رنگت دکھاتا ہے۔
اسی طرح سمندر کے پانی کا رنگ ہو رہا تھا
ذرا دور پر یورپ کے کسی سوداگر کا جہاز سمندر
کی چھاتی پر چلتا ہوا بڑے ناز و انداز اور
ایک عجیب شان کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔

سمندر کا یہ عجیب و غریب نظارہ وہ کب
تک دیکھتا رہا۔ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر تاریکی
چھا گئی۔ تب نوکمار کو جھونپڑی کی یاد آ گئی۔
اور وہاں جانے کا خیال آیا۔ یہ خیال آتے
ہی ایک لمبا اور گہرا سانس لیا اور اس سانس
کے ساتھ جذبات درد امنڈ آئے۔ ایسا
کیوں ہوا؟ کون کہہ سکتا ہے! حسرت و درد
کے ساتھ پیچھے کی طرف پھرا۔ راستہ میں ایک
ایسی دلآویز و دلکش مورتی نظر آئی جو اپنی
مستانہ چال سے بے ساختہ دل کھینچ لیتی تھی
ایک نوخیز لڑکی سمندر کے کنارے کھڑی
تھی۔ سر کے بال بکھیرے ہوئے دونوں شانوں
پر لہرا رہے تھے۔ بدن پر زیورات کا نام
نشان بھی نہ تھا۔ سادگی کی ایک مجسم تصویر
تھی۔ کاغذ کی سطحی تصویر کی طرح نہایت خوشنما
و دلفریب معلوم ہوتی تھی۔ ایسا گمان ہوتا
تھا جیسے سمندر کے کنارے چاند کا ٹکڑا
ٹوٹ کر گر پڑا تھا اور اس کی روشنی ہر چہار
طرف بکھر رہی ہے۔ بڑی بڑی چمکدار آنکھیں
جن میں چاندنی کا امرت کا رس بھرا ہوا تھا
کیا چاند کی کوئی کرن حسنِ مجسم بنکر سمندر کے
کنارے کھیلنے آئی تھی۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔
مگر اس اندھیرے میں بھی وہ نورِ حسن سے جگمگ

جگمگ کر رہی تھی اور چہرہ دمک رہا تھا۔ ان نگاہوں میں کچھ ایسی قوتِ جاذبہ تھی جو رُوح کو رگوں سے کھینچ لیتی تھی۔ کومدی (کملنی) جیسا رنگ اور وہ چاند سے اس کی روشنی کا عکس لے رہی ہے۔ شام کے وقت سمندر کے کنارے ایسا نظارہ دیکھ کر کوئی کیا کہے اور کیا نہ کہے ایسا سرور بخش سماں دیکھ کر دل مست و بیخود ہو جاتا ہے۔ حیرت نے اُسے بے حس و حرکت بنا دیا۔ طاقتِ گویائی جاتی رہی۔ متحیر آنہ نگاہوں سے بار بار اِسے دیکھنے لگا۔ زندہ مورتی بھی نوکما کو دیکھ رہی تھی مگر فرق صرف اس قدر تھا کہ نوکمار کی نگاہوں میں ایک خاص چمک تھی مگر اُس کی نگاہوں میں اس چمک دمک کا کہیں پتہ بھی نہ تھا بلکہ اس کا کچھ اور ہی حال تھا۔ سُنسان سمندر کے کنارے دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے کچھ دیر تک خاموشی سے کھڑے رہے۔ نوکمار کی یارائے گفتگو جیسے کچھ معطل ہو گئی تھی نگاہیں ایک دوسرے کو تیر کی طرح چھیدتی تھیں۔ مُورتی کی زبان سے نہائت ہی شیریں اور دلکش لہجہ میں یہ آواز سنائی دی۔ "مسافر! کیا تم راہ بھول گئے ہو؟"

یہ آواز تھی یا کسی ساز بجانے والے مشاق سازندہ کی اُنگلی کی مضراب تھی جس کے چھیڑنے سے اِس کے دل کے ستار کا ایک ایک تار خوش آئند صداؤں میں گونجنے لگا۔ دل کے تار کبھی کبھی بے سُرے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے نہیں ملتے مگر اِس آواز کی مضراب نے تاروں کو باہم ہم آہنگ بنا لیا۔ جب سب تار ملجاتے ہیں تب ہی سُریلی آواز نکلتی ہے اور وہ گونجنے لگتی ہے۔ نوکمار نے اپنے اندر ایسے سُریلے نغمہ کی دُھن سُنی کہ جسم کی رگ رگ میں جذبات سرور کی ایک نہائت ہی پُر لُطف لہر سی دوڑ گئی۔ وہ متوالا ہو گیا۔

"مسافر! کیا تم راہ بھول گئے ہو؟"

نوکمار نے یہ سوال سُنا۔ اِس کا مطلب کیا ہے؟ کوئی مناسب جواب اِس کے مُنہ سے نہیں نکلا۔ آواز مسرت کی گونج سے کانپتی اور لہراتی ہوئی نکلی تھی۔ وہ کہیں سے نکلی۔ کہیں گونجنے لگی اور اِس کی آوازِ بازگشت کی صدائیں نوکمار کے تن بدن اور سر کے گنبد بلکہ عضو عضو میں محیط ہو گئیں۔ اِن کی حد یہاں ہی تک نہیں تھی۔ درختوں کا ایک ایک پتہ فرطِ مسرت اور باجہ کی طرح بجنے سے وجد میں آ پ

الاپنے لگے۔ سمندر کی مستانہ لہریں اپنی بیشمار زبانوں سے نغمۂ مسرت گانے لگیں۔ زمین و آسمان دونوں اس خوش آیند اور خوش گلو نغمے سے مسرور ہو گئے۔ اور چاروں طرف وہی پُر سرور آواز گونجنے لگی۔ مورتی خوبصورت اور دلکش تھی۔ اس کی سُریلی آواز اور بھی خوبصورت و دلکش تھی۔ اور نوکمار کے جسم کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتی ہوئی وہ سر سے پاؤں تک گونج گئی۔ بدن کے ایک ایک عضو میں حسرت اور اشتیاق کا جادو بھرا اثر دوڑ گیا۔

جواب نہ پاکر اُس نے کہا "آؤ" زمین پر قدم پڑتے ہیں یا نہیں۔ جس طرح آسمان پر ستارے چکر کھاتے ہوئے بلا کسی شور وغل کے چُپ چاپ پورب سے پچھم کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح نوکمار اُس کے پاس گیا۔ اور وہ چل کھڑی ہوئی۔ آگے آگے وہ پیچھے پیچھے یہ۔ نو کے ساتھ جس طرح سایہ قدم بقدم بغیر کسی قسم کی آواز دیئے ہوئے چلتا ہے اسی طرح یہ اُسکے پیچھے پیچھے چلا جنگل کے اندر سے گذرتا تھا جنگل کے اندر داخل ہوتے ہی وہ مورتی نظر سے اوجھل ہوگئی اور سامنے ایک جھونپڑا دکھائی دیا۔

چھٹا باب

کاپالک کا سنگ

نوکمار نے جھونپڑے کے اندر پہنچکر دروازہ بند کر لیا۔ پیشانی پہ ہاتھ رکھکر سر جُھکائے ہوئے دیر تک سوچتا رہا۔ یہ مورتی واقعی کوئی عورت ہے یا کپالی کی مایا ہے۔

خیال کی محویت عجیب ہوتی ہے۔ نوکمار اس قدر اپنی دُھن میں مست تھا کہ اس نے اور کسی شئے کو نہیں دیکھا۔ جھونپڑے میں لکڑی جل رہی تھی۔ رات زیادہ گذر گئی۔ اسے خیال آیا کہ سندھیا نہیں کی ہے۔ پانی کی تلاش ہوئی وہ یہ نہ جان سکا کہ یہاں آگ کس نے اور کیوں جلائی ہے۔ صرف آگ ہی روشن نہیں ہے بلکہ چاول کے ساتھ اور کئی پکی ہوئی چیزیں موجود ہیں۔ نوکمار کو خوف نہیں ہوا۔ اُس نے سمجھا کہ یہ کام کپالی نے کئے ہیں۔ خوف کی کوئی بات نہیں ہے سندھیا سے فارغ ہونے کے بعد مٹی

کے برتن میں کھانا کھایا۔

دوسرے دن شیر کی کھال سے اُٹھتے ہی پھر سمندر کی طرف چل نکلا۔ آج جلدی کنارے پر پہنچا کہ شائد وہ مایا پھر نظر آجائے۔ یہ اُمید کچھ اس طرح مضبوطی کے ساتھ دل میں قائم ہو گئی کہ اُس جگہ کا چھوڑنا مشکل معلوم ہُوا۔ مگر دیر تک کوئی نہیں آیا۔ اُمید انتظار اور تلاش سب بے سُود ثابت ہوئے۔ تب وہ پھر اِدھر اُدھر گھُومنے لگا۔ گھُوم پھر کر لوٹ آیا۔ ناامید ہو کر یہ پھر جھونپڑے میں واپس آیا۔ کپالی چپ چاپ آسن جما کر بیٹھا ہُوا تھا۔ نوکمار نے اس سے کچھ پُوچھا۔ مگر کپالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

نوکمار نے پھر سوال کیا۔ "ابتک مجھے کیوں آپ کا درشن نہیں ہُوا تھا؟" کپالی نے کہا "میں اپنے شغل میں مصروف تھا۔"

نوکمار نے گھر جانے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا میں راہ سے بے راہ اور گمراہ ہو گیا ہوں۔ راہ کی خبر نہیں ہے۔ میں اس اُمید میں ٹھہرا ہوں کہ آپ مجھے راہ بتائیں گے۔

کپالی نے کہا۔ میرے ساتھ آؤ۔ وہ اُٹھا۔ شائد کپالی کوئی تدبیر بتا دے۔

آگے آگے کپالی اور پیچھے یہ چلا۔ اتفاقاً کسی کا ملائم ہاتھ نوکمار کی پیٹھ پر پڑا۔ اُس نے حیرت زدہ ہو کر پیچھے کی طرف تحیرانہ نگاہ سے دیکھا۔ وہی پہلے دن والی مُورتی بن دیوی کی شکل میں آج پھر اپنے مُنہ پر اُنگلی رکھے ہوئے دکھائی دی۔ یہ کیسی دلفریب شکل تھی۔ نوکمار نے دیکھا کہ وہ مجھے بولنے سے منع کر رہی ہے۔ اس لئے چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ کپالی تو آگے کی طرف بڑھا۔ اس کو پیچھے کی کچھ خبر نہیں تھی مُورتی نے نوکمار سے کہا۔ کہاں جاتے ہو؟ مت جاؤ۔ واپس چلو۔ بھاگ نکلو۔ یہ کہکر وہ پھر غائب ہو گئی۔ نوکمار نہ تو کچھ جواب دے سکا اور نہ کچھ پُوچھنے کی جُراَت ہی کر سکا۔ وہ کہاں گئی؟ کیسے گئی۔ اور کیا ہو گئی؟ اس کو کسی بات کا بھی علم نہیں ہُوا۔ سوچنے لگا۔ یہ کس کی مایا ہے؟ کہیں مجھکو بھرم تو نہیں ہُوا؟ میں نے سُن رکھا ہے کہ تانترک کپالی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر کیا بھاگ جاؤں۔ اور کیوں بھاگوں؟ اس دن بچ گیا۔ آج بھی بچ جاؤنگا کپالی انسان ہے تو میں بھی انسان ہوں۔

وہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ کپالی اس کو اپنے پیچھے قدم بقدم آتے ہوئے نہ دیکھ کر لوٹ آیا۔ تحکمانہ آواز سے بولا "کیوں دیر کر رہے ہو؟" اور نوکمار بغیر کوئی جواب دیئے ہوئے اُس کے قدم بقدم چلنے لگا۔

کچھ دور پر ایک کُٹی دکھائی دی۔ جس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔ وہ کُٹی بھی کہی جاسکتی تھی۔ اور چھوٹا مکان بھی لیکن اس سے ہم کو چنداں بحث نہیں ہے۔ اس مختصر مکان کے کنارے کپالی نوکمار کو اُس طرف لے چلا۔ جہاں بلدان دیا جاتا ہے۔ عین اسی وقت تیر کی طرح سنسناتی ہوئی تیزی کے ساتھ وہی زندہ مورتی پھر آتی ہوئی دکھائی دی۔ اور جھک کر نوکمار کے کان میں کہہ گئی "اب بھی بھاگ جاؤ۔ کیا تم نہیں جانتے؟ بغیر انسان کے گوشت کے یہ تانترک اپنی پوجا نہیں کرتے" فرطِ حیرت سے نوکمار کا جسم پسینہ پسینہ ہوگیا۔ بدقسمتی سے کپالی نے اُس زندہ مورتی کی آواز سن لی اور حیرت آمیز لہجہ میں بولا "کپال کنڈلا! یہ کیا حرکت ہے؟"

نوکمار کے کانوں میں بادل کی گرج کی طرح یہ آواز سنائی دی۔ مگر اُس مورتی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ نوکمار کو معلوم ہو گیا کہ اس کا نام کپال کنڈلا ہے۔

کپالی نے نوکمار کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے تمام جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ رگ رگ میں سنسناہٹ پیدا ہونے لگی۔ خون میں حدت اور تیزی آگئی۔ اُس نے کہا "ہاتھ چھوڑ دو"۔ مگر کپالی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اُس نے پوچھا "مجھے کہاں لئے جاتے ہو؟"

کپالی بولا "پوجا کے استھان پر"

نوکمار نے پوچھا "کیوں؟"

اُس نے جواب دیا "بلی دینے کیلئے"

اتنا سننا تھا کہ نوکمار کے ہوش کے طوطے اُڑ گئے۔ آئے حواس جاتے رہے۔ زور سے ہاتھ کھینچا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اُس کے ہاتھ کو کبھی نہ پکڑ سکتا۔ مگر کپالی کا پنجہ فولاد کی طرح سخت اور مضبوط تھا۔ اُس نے اُسے پکڑ رکھا۔ نوکمار کو اپنی زندگی کی طرف سے مایوسی ہوگئی۔ اُس نے سوچا "اس کے سامنے زور نہیں چلے گا۔ حکمت عملی سے بچنا چاہیئے۔ اور دیکھئے وہ حکمت عملی کیا ہوتی ہے؟"

ویدی (بلدان) کی جگہہ پہنچکر نوکمار نے دیکھا کہ آگ روشن ہے۔ لکڑیوں کا ایک زبردست انبار جل رہا ہے اور اس کے چاروں طرف تانترک پوجا کا سامان موجود ہے۔ لیکن اگر کسی چیز کی کمی ہے۔

تو وہ صرف پشو (بلی دینے والا جانور) نہیں
ہے اور وہ خود پشو بنایا جائے گا۔ اسی کا
بلیدان کیا جائے گا۔

وہاں خشک رسیاں پڑی تھیں کپالی
نے نوکمار کے ہاتھ خوب مضبوطی سے جکڑ
کر باندھ دیئے۔ چاہتا تھا کہ زور لگا کر اپنے
آپ کو رسیاں تڑا کر آزاد کرے مگر بے بس
تھا۔ کپالی کے جسم میں ہاتھی کی طاقت تھی۔
اس نے نوکمار سے کہا۔ "نادان! زور کیا
دکھاتا ہے۔ سمجھ لے تیرا جنم سپھل ہو گیا۔
بھیروی کی پوجا میں تیرے مانس کا پنڈ دیا
جائے گا۔ اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو
سکتی ہے؟ تو بڑا خوش قسمت انسان ہے۔"

کپالی نے نوکمار کو باندھ کر ریت پہ
چھوڑ دیا۔ اور آپ اس کے بل دینے کی
فکر میں ہوا۔ نوکمار رسیاں توڑانے کی
کوشش کرنے لگا۔ رسی بہت مضبوط تھی۔
گرہیں سخت تھیں۔ ان کا ٹوٹنا مشکل تھا۔
بیچارے نے سمجھ لیا موت سر پر آگئی ایشور
کو یاد کرنے لگا۔ وطن کی یاد الگ ستانے
لگی۔ گھر والوں کی محبت کا خیال پھر دل میں
جوش زن ہوا۔ حسرت و یاس سے آنسوؤں
کی چند بوندیں آنکھوں سے نکل پڑیں کپالی
پوجا ختم کر کے تلوار لینے کے لئے اٹھا۔ جہاں
تلوار رکھی ہوئی تھی۔ وہاں نہیں ملی۔ وہ جی
میں ڈرا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ تلوار
یہاں ہی رکھی ہوئی تھی۔ کون اٹھا لے گیا۔
یا وہ کیا ہو گئی؟ وہ ادھر ادھر تلاش کرنے لگا
اور "کپال کنڈلا" کہکر پکارنے لگے مگر کپال کنڈلا
نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کپالی کی آنکھیں انگارہ کی طرح سرخ
ہو رہی تھیں۔ ابرو کمان کی طرح کھنچ گئے تھے
تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا وہ جھونپڑے
کی طرف روانہ ہوا۔ اس اثنا میں نوکمار
نے پھر رسیاں تڑانے کی بھرپور کوشش
کی مگر وہ نہ ٹوٹ سکیں۔

ملائم اور دبے پاؤں کے آنے کی آہٹ
سنائی دی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وہی مورتی (دیوی)
کی شکل میں دکھائی دی۔ اس وقت اسکے
ہاتھ میں تلوار تھی۔ کپال کنڈلا نے کہا۔
"چپ رہو۔ بولو مت۔ تلوار میرے پاس ہے
میں ہی چرا لے گئی تھی۔ تاکہ تم قتل نہ کئے جاؤ۔"

یہ کہکر اس نے اسی تلوار سے نوکمار
کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں دم کے دم میں
کاٹ دیں۔ نوکمار آزاد ہو کر کھڑا ہو گیا۔
کپال کنڈلا نے کہا۔ "بھاگو میرے پیچھے پیچھے

چلے آؤ۔ میں راستہ دکھا دونگی۔" کپال کنڈلا آگے آگے۔ نوکمار پیچھے پیچھے دونوں بگٹٹ بھاگے۔ یہ جا وہ جا۔ دم کے دم میں وہاں سے غائب ہو گئے۔

ساتواں باب

کپالی

کپالی نے گھر میں کونے کونے ڈھونڈا مگر تلوار نہ ملی۔ کپال کنڈلا بھی وہاں نہیں تھی۔ وہ شک میں پڑا ہوا ریت کی طرف واپس آیا۔ نوکمار کو غائب پایا۔ نہائت متعجب ہوا۔ رسیوں کی طرف نظر ڈالی۔ سمجھ گیا کسی نے رسیوں کے پھندے کاٹ کر آزاد کر دیا۔ اور اُس کی تلاش میں دوڑا۔ مگر اس گھنے جنگل میں کیسے پتہ لگتا کہ کون کس راستہ سے گیا ہے۔ اس کا معلوم کرنا آسان تو نہیں تھا۔ کوئی بات اِس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ہر چہار طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایسی گھٹا ٹوپ تاریکی میں کون کسی کو دیکھ سکتا ہے؟ پھر آواز کے سہارے وہ چلنے لگا۔ مگر آواز بھی کچھ اس طرح کی تھی۔ جو بھاگنے والے کا پتہ دینے کے ناقابل تھی جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ تلاش کرتے کرتے ریت کے ٹیلے پر چڑھا۔ اس کی چوٹی پر آیا۔ پانی برسنے کی وجہ سے زمین تر ہوگئی تھی۔ قدم کے نیچے کی ریت کھسک گئی۔ اِدھر اُدھر کرتے ہوئے ٹیلے کی چوٹی سے نیچے آگیا۔ اور مُنہ کے بل گر پڑا

آٹھواں باب

پناہ

اماوس کی اندھیری کالی رات میں دو آدمی دوڑ کر جنگل میں گھس گئے۔ مجبوراً سوائے اس کے کہ کپال کنڈلا کے پیچھے پیچھے چلتا اور وہ کیا کر سکتا تھا؟ اُس نے دل میں سوچا

یہ بھی قسمت کی بات ہے۔ اور اگر یہی ایک
بات پر انسان کا پختہ عقیدہ رہتا تو شائد
دُنیا کے مصائب اِس کو اِس قدر مضطرب
نہ بنا سکتے۔ سخت سے سخت تکالیف میں بھی
فلسفہ تقدیر ہمیشہ تسکین دیتا ہے۔ اندھیری
رات تھی۔ آسمان کے ٹمٹماتے ہوئے ستاروں
کے چراغ کی دُھندلی روشنی بھی ماند ہو چلی
تھی۔ اُن کی مدھم روشنی میں صرف ریت
کے کسی قدر ٹیلے نظر آتے تھے۔ اُن کے سوائے
اور سب پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

دو پہر رات گذر گئی۔ کپال کنڈلا
اِس کو ایک معمولی مندر کے قریب لائی۔
مندر کے پاس اینٹوں کا ایک مکان تھا۔
اِس کے پاس پہنچکر کپال کنڈلا نے تالیاں
بجائیں کسی نے اندر سے پوچھا "کون"
جواب دیا گیا "کپال کنڈلا" تم دروازہ کھولیئے
سوال کرنے والے نے دروازہ کھولا
وہ اُسی مندر کا پجاری تھا۔ لگ بھگ
پچاس برس کی عمر ہوگی۔ اُس کے کان میں
جھک کر کپال کنڈلا نے دو چار باتیں کہیں
پجاری دیر تک سوچتا رہا۔ آخر بولا "سخت
مشکل ہے مہاراج کپالی جو چاہیں کر سکتے ہیں
خیر بھگوتی کی دیا سے تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔

کپال کنڈلا نے کہا "آیئے۔ اندر آیئے۔
آجایئے"۔ نوکمار ایک گوشے میں کھڑا تھا۔
آیا۔ پجاری نے اُس کو گھر کے اندر لیجا کر
کہا۔ آج یہاں چھپے رہو کل تم کو میدنی پور
کا راستہ دکھادوں گا"

بات چیت کر کے پجاری تاڑ گیا کہ نوکمار
بھوکا ہے۔ کچھ کھانے کی چیزیں لایا۔ مگر
نوکمار نے خواہش نہیں ظاہر کی۔ بے چارہ
غربت زدہ نوکمار زمین پر لیٹ گیا۔ کپال کنڈلا
نے سمندر کے کنارے جانے کی خواہش ظاہر
کی۔ پجاری نے کہا "ابھی نہ جاؤ۔ ذرا ٹھہرو
تم سے کچھ کہنا ہے۔

کپال کنڈلا۔ "کیا؟"

پجاری۔ "جانے سے تمہاری جان کی
خیریت نہیں ہے"

کپال کنڈلا۔ "یہ میں جانتی ہوں"

پجاری۔ "پھر کیوں پوچھتی ہو؟"

کپال کنڈلا۔ "اگر وہاں نہ جاؤں گی تو کہاں
جاؤں گی؟"

پجاری۔ "اِس مسافر کے ساتھ اپنے وطن
کو چلی جاؤ"

کپال کنڈلا چپ ہو رہی۔

پجاری۔ "بیٹی! تم کیا سوچتی ہو؟"

کپال کنڈلا ”جب تمہارا چیلا آیا تھا۔ تو تم نے کہا تھا۔ جوان مرد کے ساتھ جوان عورت کو نہ جانا چاہیئے۔ آج کیوں اس طرح کہتے ہو؟“

پُجاری ”اس وقت تمہاری زندگی خطرہ میں نہ تھی۔ کچھ اور حالت تھی۔ اب اور طرح کی حالت ہے۔ اچھا ذرا بھگوتی ماتا سے رائے لے لیں۔“ یہ کہکر ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے پُجاری دیوی کے مندر میں گیا دروازہ کھولا۔ کالی کی خوفناک مورتی کو سلام کیا۔ پھول پتے چڑھائے۔ چاول چھڑکے منتر پڑھے اور مورتی کو بغور دیکھنے لگا۔ ذرا دیر بعد کپال کنڈلا سے کہا۔ ”بیٹی دیکھو۔ دیوی نے ارگھ لے لیا ہے۔ بیل پتر نہیں گرا جانتے ہیں ہی خیریت ہے۔ تم بخوشی اس مسافر کے ساتھ جاؤ۔ ہاں ایک بات ضرور ہے۔ اگر تم اس طرح جاؤگی تو اس پر ایک بار ثابت ہوگی۔ وہ برادری میں مطعون و شرمندہ کیا جائے گا۔ اور تم سے بھی سب لوگ نفرت کریں گے۔ تم نے کہا تھا مسافر براہمن ہے گلے میں جنیو ہے۔ اگر اس کے ساتھ تمہارا بواہ ہو جائے۔ تب تو خیریت ہے لیکن اگر وہ یہ نہ پسند کرے تو مجھے نہیں اس کے ساتھ بھیجنے میں بہرصورت انکار ہوگا۔“

کپال کنڈلا ”(آہستہ اور ہنستے لہجہ میں) بے واہ۔ بواہ کا نام تو میں نے سُنا ہے۔ یہ ہونا کیا ہے! میں نہیں جانتی۔ کیا کرنا ہوگا؟“

پُجاری کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ عورت کا مرد کے ساتھ رہنا بواہ ہے۔ جگدیا بھگوتی بھی شیو بھگتوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ یہی بواہ ہے۔“

پُجاری نے اپنے دل میں سمجھا میں نے کپال کنڈلا کو خوب سمجھا دیا۔ اس نے بھی سمجھا ”میں خوب سمجھ گئی۔ بولی ایسا ہی ہے مگر میں اُن کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی اُنہوں نے اتنے دنوں تک مجھے پالا ہے۔“

پُجاری بولا۔ ”مگر اس پالنے کی غرض کیا ہے وہ تم نہیں جانتی ہو۔“

پُجاری نے سمجھایا کہ تانترک اپنی پُوجا کے وقت اس قسم کا سلوک عورتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر کپال کنڈلا نے ذرا بھی نہیں سمجھا۔ دل پر ہاتھ رکھکر کہنے لگی۔ ”اچھا۔ بواہ کرنے پر راضی ہوں۔“

تب وہ مندر سے باہر آئے۔ کپال کنڈلا کو کمرہ میں بٹھا کر پُجاری نوکمار کے پاس آیا۔ پوچھا کیوں ”کیا آپ سو رہے ہیں؟“

نوکمار نے جواب دیا۔ جی نہیں۔"

پُجاری نے کہا" میں آپ سے ایک خاص معاملہ میں رائے لینے آیا ہوں کیا آپ براہمن ہیں ؟"

نوکمار ۔" جی ہاں ۔"

پُجاری ۔" کون براہمن ؟"

نوکمار ۔" راڑھیا ۔"

پُجاری ۔" میں بھی راڑھیا براہمن ہوں ۔ بالکل براہمن نہ سمجھئیگا ۔ کُل اچاری ہوں ۔ اور اس وقت بھگوتی مائی کا پُجاری ہوں ۔ آپ کا نام کیا ہے ؟"

نوکمار ۔" نوکمار شرما ۔"

پُجاری ۔" وطن ۔"

نوکمار ۔" سپت گرام ۔"

پُجاری ۔" کس گاؤں میں گھر ہے ؟"

نوکمار ۔" وندھیہ گھاٹی ۔"

پُجاری ۔" کیا شادی ہو گئی ہے ؟"

نوکمار ۔" صرف ایک شادی کی ہے ۔"

نوکمار نے اپنے تمام حالات کھول کر نہیں سنائے ۔ اصل میں اس کی ایک بیوی بھی نہیں تھی ۔ اس کی رام گوبند گھوشال کی لڑکی کے ساتھ شادی تو ضرور ہو چکی تھی مگر وہ باپ کے گھر رہتی تھی کبھی کبھی یہ سسرال چلا جایا کرتا تھا ۔ جب وہ لڑکی تیرہ برس کی ہوئی ۔ باپ سب کو لیکر جگن ناتھ جی چلا گیا ۔ راستہ میں اکبر بادشاہ کی فوج اڑیسہ پر عمل دخل کرکے چلی آ رہی تھی ۔ مغل و پٹھانوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تھی ۔ پٹھانوں نے رام گوبند سے چھیڑ چھاڑ کی ۔ اس کے مُنہ سے چند ناشائستہ الفاظ نکل پڑے ۔ پھر کیا تھا ۔ سب کو زبردستی مسلمان بنا لیا ۔ رام گوبند گھر ضرور واپس آئے ۔ مگر مسلمان ہونے سے برادری نے اُن کو خارج کر دیا ۔ یہ سبب ہے کہ نوکمار کی اپنی بیوی سے ملاقات نہیں ہوئی ۔ رام گوبند کو ذلت کی حالت میں رہنا پسند نہیں تھا ۔ وہ مسلمانوں کے درمیان چلے گئے ۔ بڑا عہدہ پایا بادشاہی محل میں رہنے لگے ۔ نام تک بدل ڈالا ۔ پھر کسی کو اس بات کا پتہ تک نہ لگا ۔ کہ نوکمار کے سسر اور اُس کی بیوی کا کیا حال ہوا ۔ اس وجہ سے اس کی ایک بیوی بھی نہ تھی ۔

پُجاری اس بات کو نہیں جانتا تھا ۔ اُس نے سوچا ۔ دو شادیاں کرنے میں ہرج ہی کیا ہے ۔ پُوچھا" جس لڑکی نے آپ کی جان بچائی ہے ۔ کیا آپ اُس کے

ساتھ شادی کرنا پسند کریں گے؟ وہ جس کپالی مہاتما کے آشرم میں رہتی ہے۔ وہ بہت خوفناک ہے۔ جو آپ کا حال ہوا تھا وہی اُس کا بھی کسی وقت میں ہوگا۔ اس سے بچنے کی کوئی تدبیر آپ کی سمجھ میں آتی ہے۔

نوکمار نے کہا "آپ سب جانتے ہیں۔ آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے۔ آپ جو کہیں گے میں اُس پر دل و جان سے عمل کرونگا۔ اگر اس لڑکی کی جان میری جان جانے سے بچ سکتی ہے تو مجھے قطعی تامل و دریغ نہ ہوگا۔"

پجاری ہنسا "تم پاگل ہو۔ بھلا جان دینے سے کیا فائدہ۔ تمہاری بھی جان جائے گی اور اس کی بھی اور ان کا غصہ کم نہ ہوگا۔ ہاں ایک تدبیر ہے۔"

نوکمار نے بیساختہ کہا "وہ کیا؟"

پجاری "آپ نہیں جانتے وہ کون ہے کسکی لڑکی ہے کس خاندان سے ہے۔ اسکے حالات کیا ہیں؟ کیا آپ اس کے ساتھ شادی کرلیں گے؟"

نوکمار "کیا میرے ساتھ نہیں بھاگ سکتی؟"

پجاری "آپ یہ نہیں جانتے وہ کون ہے کس کی لڑکی ہے۔ کس خاندان سے ہے۔ اس کے حالات کیا ہیں؟ کیا آپ اس کے ساتھ شادی کرلینگے یا اُسے ساتھ لے جاکر اپنے گھر پر رکھ سکینگے؟ ایسا نہ ہو کہ اُسے گھر سے نکال دیں۔ تو پھر غریب کہیں کی بھی نہ رہے گی۔"

نوکمار نے کچھ دیر تک دل میں سوچکر احسانمندانہ لہجے میں کہا "جس نے میری جان بچائی ہے میں اُس کے لیے بڑی سی بڑی قربانی کرنے میں نہ ہچکچاؤنگا۔"

پجاری "لیکن جب کوئی پوچھیگا کہ کس کی عورت ہے۔ تو آپ کیا جواب دیجیے گا؟"

نوکمار "آپ جیسا کہیے وہ کہدیا کرونگا۔"

پجاری "راستے میں جوان مرد اور جوان عورت کا یکجا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس کو آپ کے ساتھ تنہا نہیں بھیج سکتا۔"

نواں باب
شادی ہو گئی

صبح کے وقت پجاری آیا۔ معلوم ہوا نوکمار کو نیند نہیں آئی۔ پوچھا "کیا کرنا چاہیے؟"

نوکمار ''آج سے کپال کنڈلا میری
بیوی ہے اگر اس کے لئے مجھے سب کو
چھوڑنا پڑے تو میں راضی ہوں۔ کنیا
دان کون دے گا؟''

پجاری خوش ہو گیا آج بھگوتی کی
دیا سے میری اور کپالنی کی گت ہو گئی۔
اُس نے کہا۔ کنیا دان میں دونگا۔''

یہ کہکر وہ خوابگاہ میں گیا۔ بانس کے
چونگے سے کئی تاڑ کے پتے نکالے۔ اُنکو
دیکھکر کہا گو آج شادی کا دن نہیں ہے
مگر شادی کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے
گودھری کے لگن میں میں کنیا دان دونگا۔
تم اپنا کرو۔ آج برت رکھو۔ یہاں میں
ایک دن تم کو چھپا رکھونگا اگر وہ آج آ
بھی گئے۔ تو تمہارا پتہ نہ پا سکیں گے۔
شادی کے بعد تم یہاں سے چلے جانا''

نوکمار راضی ہو گیا۔ شام کے وقت
جہاں تک ممکن تھا۔ شاستر کے موافق ان کا
بیاہ کر دیا گیا''

کپالک کا آج کا کچھ حال نہیں ملا
تینوں آدمی سفر کی تیاری میں مصروف
ہوئے۔ رخصت ہونے وقت کپال کنڈلا
کالی کے مندر میں گئی۔ پھول پتر چڑھائے
اور دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بل
بیٹھ گئی۔ بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں بھگتی
کا دریا جوش زن تھا۔ نگاہیں دیوی کی
مورتی پر تھیں۔ حسن اتفاق سے بیل پتر نیچے
گر پڑا۔ وہ گھبرائی خوف سے پجاری کے
پاس گئی اور سب حال کہہ سنایا۔ پجاری نے
کہا اب تمہارا دھرم صرف پتی کی سیوا کرنا
ہے اگر وہ شمشان کو جاوے تو تمہیں بھی
جانا چاہیئے۔ کوئی فکر نہ کرو اب چپ چاپ
یہاں سے چلدو۔''

تینوں روانہ ہوئے جب دن چڑھ آیا تب
میدنی پور کے راستہ کا پتہ ملا۔ یہاں آکر پجاری
نے رخصت چاہی۔ کپال کنڈلا [illegible]
آجتک ہمدردی کا برتاؤ کیا ہے کون [illegible]
ہمیشہ کیلئے جدا ہو رہا ہے۔ کپال کنڈلا کی [illegible]
آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے دیکھ کر پجاری کی آنکھوں
میں بھی آنسو آگئے [illegible] آنسوؤں کا سیلاب [illegible]
تو دیا۔ بھر آئی ہوئی آواز سے [illegible]
بیٹی اتم [illegible] دیوی کی [illegible]
رہوگی [illegible] تمہارے
کپڑے میں کچھ باندھ دیا اس سے تمہارا [illegible] ایک
[illegible] مجھے اپنا سیوک جاننا [illegible]
[illegible]

دُوسرا حصّہ

پہلا باب

شارعِ عام

نوکمار میدنی پُور میں پہنچ گیا۔ پجاری کے دیئے ہوئے روپے سے راستہ میں ایک آدمی اور باندی کو نوکر رکھا۔ پالکی کر دی تاکہ کپال کنڈلا کو راستہ کی تکلیف محسوس نہ ہو اور وہ عزت آبرو کے ساتھ گھر چلے پہلے دن کے سفر سے وہ بہت تھک گیا تھا۔ پیدل چلنے کی عادت کم تھی۔ دُوسرے دن دوپہر کے وقت کھانا کھا کر اسی طرح چل کھڑا ہوا آہستہ آہستہ شام ہو گئی اور وہ ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا۔ اندھیری رات اتفاقیہ بدلی برسات بارش بھی کسی قدر ہونے لگی۔ وہ سوچتا تھا کہ کپال کنڈلا کے ساتھ رہے۔ مگر پالکی کے کہاروں کی رفتار کے مطابق وہ کب چل سکتا تھا۔ سوچا سرائے میں مل جائیں گے لیکن دور تک چلنے پر بھی کوئی سرائے نظر نہیں آئی۔ آخر دو تین پہر رات تک وہ برابر قدم بڑھاتے ہوئے چلتا ہی گیا۔

یکایک اُس کا پاؤں کسی سخت چیز سے ٹکرا گیا۔ ہاتھ سے اُٹھا کر دیکھا تو وہ شتہنے کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا معلوم ہوا۔ بارش اور تاریکی! راستہ کی کوئی چیز صاف نظر نہیں آتی تھی۔ آگے بڑھا۔ پھر اس کا پاؤں ٹکرایا۔ ہاتھ سے ٹٹولنے پر معلوم ہوا کہ ٹوٹی ہوئی پالکی ہے اب تو وہ کپال کنڈلا کے خیال سے بہت گھبرایا۔ پھر آگے بڑھا۔ پاؤں پھر کسی چیز سے ٹکرایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا ٹھنڈا جسم ہے۔ نبض ٹٹولی۔ وہ رُکی ہوئی تھی۔ جسم شاید بے جان تھا۔ کان کو ہاتھ لگایا۔ آہستہ آہستہ سانس چلنے کی آواز سنائی دی۔ سوچا اگر نبض کی حرکت بند ہے تو پھر سانس کیونکر آ رہی ہے۔ اِس کے کہاں درد ہے؟ پھر ناک پر ہاتھ رکھا۔ سانس نہیں چل رہی تھی۔ جب سانس نہیں چلتی تو پھر سانس کی آواز کیسے سنائی دیتی ہے۔ یہ خیال

خیال کیا۔ کوئی زندہ آدمی بھی اِس جگہہ موجود ہے پوچھا "کوئی یہاں ہے ؟"

جواب ملا۔ "ہاں ہے۔"

نوکمار :۔ "تم کون ہو ؟"

جواب :۔ "تم کون ہو ؟"

عورت کی سی آواز معلوم ہوتی تھی۔ فوراً سوال کیا۔ کیا تم کپال کنڈلا ہو ؟"

عورت نے کہا۔ کپال کنڈلا کون ہے ؟ میں نہیں جانتی مسافر ہوں۔ ڈاکہ پڑا۔ میرے کانوں کا کنڈل تک ڈاکو چھین لے گئے۔ میں محض کنڈلا بن گئی ہے۔"

نوکمار :۔ "کیا ہوا ؟"

جواب :۔ "ڈاکوؤں نے میری پالکی توڑ دی۔ کہاروں کو مار ڈالا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔ میرا زیور چھین کر مجھے پالکی سے باندھ دیا ہے۔"

نوکمار نے ٹٹول کر دیکھا عورت سچ مچ کپڑے کے ساتھ پالکی سے بندھی ہوئی تھی۔ فوراً اس کی گرہیں کھول کر آزاد کر دیا۔ پوچھا کیا تم اُٹھ سکتی ہو ؟ عورت نے کراہتے ہوئے کہا۔ مجھے بھی ایک لاٹھی لگی ہے۔ پاؤں میں درد کا زور ہے ممکن ہے۔ سہارا پانے پر میں اُٹھ سکوں گی۔"

نوکمار نے سہارا دیا۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے پُوچھا "چل سکتی ہو ؟"

عورت نے اِس سوال کا جواب نہیں دیا۔ خود سوال کر بیٹھی۔ کیا تم نے کسی مسافر کو آتے ہوئے دیکھا ہے ؟"

نوکمار :۔ "نہیں۔"

عورت :۔ "سرائے کتنی دُور ہے ؟"

نوکمار :۔ "مجھے کچھ معلوم نہیں۔ شاید نزدیک ہی ہوگی۔"

عورت :۔ "افسوس ! اکیلے میدان میں بیٹھ کر کیا کرونگی۔ آپکے ساتھ سرائے تک چلنا ہی مناسب ہے اگر سہارا مِلجائے تو چل سکونگی۔"

نوکمار :۔ "مصیبت کے وقت شرم اور حیا کو بالائے طاق رکھدینا چاہیئے۔ تم میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلو۔"

عورت نے ایسا ہی کیا اور دونوں چل کھڑے ہوئے۔ فی الحقیقت سرائے نزدیک تھی۔ اُس زمانہ کچھ اور طرح کا تھا۔ سرائے کے نزدیک اِس قسم کے حادثات اکثر ہُوا کرتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سرائے میں داخل ہوئے۔ نوکمار نے دیکھا کہ اُسی سرائے میں کپال کنڈلا بھی ٹھیری ہوئی ہے خدمتگار اور باندی نے اُسکے لئے ایک کوٹھڑی ٹھیک

کردی۔ نوکمار نے اِس دوسری عورت کے لئے ایک اور کوٹھڑی خالی کرادی بھٹیارے سے چراغ جلایا۔ نورِ حسن نے چراغ کی روشنی ماند کردی۔ تمام کمرہ جگمگا اُٹھا۔ مخمور آنکھوں سے جانسوزِ حرارت کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ نوکمار نے دیکھا کہ عورت نہائت ہی حسین ہے اور اِس کی جسم کی رگ رگ سے لاثانی حُسن کا نُور پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ عورت تھی یا شعلۂ حُسن؟"

دُوسرا باب

راستہ میں قیام

اگر یہ کہا جائے کہ مردوں کے لئے یہ عورت اُن کی بیویوں کی طرح اور اور عورتوں کے لئے اُن کے آئینہ کے عکس کی طرح یہ خوبصورت تھی۔ تو حُسن کا بیان ختم ہو جاتا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ عورت ہر طرح پر مکمل حسین نہیں تھی۔ یہ بے عیب نہیں تھی۔ قد لمبا تھا۔ اور دوسرے ہونٹ کا آدھا حصّہ دبا ہُوا تھا۔ رنگ سیاہ فام تھا۔" قد لمبا ضرور تھا۔ مگر ہات پاؤں گولے گولے سڈول اور گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ برسات کے دنوں میں جس طرح بیل بُوٹوں کے پتے لہلہاتے ہیں۔ اِسی طرح جوشِ شباب سے اِس کا عضو عضو پھڑکتا تھا جسم کی ساخت نہائت سڈول اور خوبصورت تھی۔ قد کی لمبائی نے اِس خوبصورتی کو دوبالا کردیا تھا اور صرف اِسی نظر سے ہم اِس کو گوری کہہ سکتے ہیں۔ کسی عورت کا رنگ چاند کی طرح سفید ہے۔ کسی کا سورج کی سُرخ شعاعوں کی طرح ارغوانی ہے۔ کوئی کملنی کی طرح سفیدی سُرخی مائل ہے کسی کا سیاہ ہے مگر اِس سیاہی میں بجلی کی نیلگوں سفیدی رہتی ہے اور اِس کو سانولا رنگ کہتے ہیں۔ سانولا رنگ شیام برن ہے۔ شیام سُندر کیسا پیارا لفظ ہے شیام سندر کی ماں۔ شیام سندر یہ دونوں لفظ ہندوؤں کی زبان پر رہتے ہیں۔ یہ عورت بھی سانولی گوری تھی۔

"گو ایسی سانولی عورت کو بھی کالا کہا جا سکتا ہے [illegible] اس کے سانولے رنگ کے پردہ کے اندر چاندی کی سی [illegible] لئے ہوئے سفید رنگ کا نور جھلکتا ہُوا نظر آئے تو پھر اُسے کیوں نہ خوبصورت کہنا چاہیئے۔ وہ لوگ نادان ہیں جو اس طرح کے سانولے حُسن پر سفید رنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس میں نمک زیادہ ہے۔ اُس میں بڑے نام [illegible] تپسوی سے تپسوی لوگ جب نوجوان بھنورے جیسی کالی عورت کی سیاہی میں سفیدی لئے ہوئے پیشانی کو دیکھتے ہیں تو موہت ہو جاتے ہیں۔ اُن کے دل میں کسی مہ جبیں دیوی کا دھیان آجاتا ہے۔ جس کے ماتھے پر سیندور کا سُرخ ٹیکا اس کو ججھو کا بناکر بھڑ کا دیتا ہے۔ یہ عورت ایسی ہی تھی۔ آنکھیں بہت بڑی نہیں تھیں۔ مگر سیاہ بادلوں کے اندر چھپے ہوئے چھوٹے چاند کی طرح تھیں۔ اِن میں اس قسم کا سفید نور تھا۔ کہ اگر کسی پر نظر پڑ جائے تو اُسے فوراً یقین آجائے کہ دلوں کے پردوں کو چاک کر کے یہ گھس جاتی ہیں۔ اور تمام اندرونی حالات سے آگاہ ہو جاتی ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر اس طرح کا جادو چل جاتا ہے کہ پھر اور کسی طرف دیکھنے کی رغبت نہیں رہتی اور وہ اسی نرگسی نگاہ کا بیمار بنجاتا ہے۔ آنکھوں کی سُرخی۔ سفیدی اور سیاہی تینوں مل ملاکر وقتاً فوقتاً دیکھنے والوں کے دلوں پر خاص قسم کے اثرات ڈال ڈال کر کچھ کا کچھ بنائی رہتی ہیں۔ کبھی سُرخ رنگ دل کی پچکاری میں بھر جاتا ہے اور پریم کی ہولی کھیلنے کو جی چاہتا ہے۔ کبھی سفید رنگ کی تاثیر بجلی کی طرح کڑک کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور پھر سیاہی کیا کرتی ہے؟ سو اس موہنی صورت کے دیکھنے والے کے لئے تمام دنیا کو سیاہ کر دیتی ہے یہ آنکھیں ہیں یا کیا ہیں؟ کسی گیانی سے پُوچھئے تب پتہ چلے کوئی دھیانی ممکن ہے ان کی وضاحت کر سکے۔"

اس عورت کی عمر ۲۲ برس کی تھی۔ وہ بھادوں کی لبریز ندی تھی جیسے بھرے بھادوں کی ندی کی مستانہ لہریں پانی کی سطح پر اٹکھیلیاں کرتی ہوئیں اچھلتی کودتی رہتی ہیں۔ اسی طرح اس کے جوبن کی چھبن اپنا ابھار دکھا دکھا کر دلوں کو گدگداتی رہتی تھی۔ عالم شباب کے نشہ میں چور تھی۔

اور شرورت کی ندی کی طرح بغیر کسی ہوا کے چنچل تھی۔ اور وہ چنچل پن ہر وقت نئے نئے رنگ بدلتا رہتا تھا۔ نوکمار ایک ٹک تصویر حیرت بنا ہُوا اس عجیب و غریب نئے حُسن کے نظاروں کو تحیّرانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

نوکمار کو حیرت زدہ دیکھکر وہ بول اُٹھی "آپ کیا دیکھتے ہیں؟" میرا حُسن؟"

نوکمار بھلا مانس تھا۔ شرما گیا آنکھیں جُھک گیئں۔ اور سر نیچے کر لیا۔ اُسے لاجواب پاکر عورت نے ایک نہائت ہی دلفریب مسکراہٹ کا جلوہ دکھا کر خود ہی کہا" آپ نے کسی عورت کو نہیں دیکھا ہے یا آپ مجھے بہت خوبصورت سمجھتے ہیں؟"

دوسرے موقع پر اگر یہ بات کہی گئی ہوتی۔ تو اُس سے لعنت ملامت کا اظہار ہوتا۔ مگر اس وقت معمولی طعنہ کے سوا اور کچھ اس کے دھیان میں نہ آسکا۔ اُس نے جواب دیا میں نے عورتیں دیکھی ہیں مگر ایسی حسین عورت آجتک نظروں سے نہیں گذری"

عورت نے پُر غرور لہجہ میں سوال کیا۔ "کیا ایک بھی نہیں؟"

نوکمار کے دل میں کپال کنڈلا کا حُسن چٹکیاں لینے لگا۔ سنبھلکر تمکنت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ ایک بھی نہیں۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا"

عورت "ٹھیک ہے کیا وہ آپ کی بیوی ہے؟"

نوکمار "ایسا کیوں کہتی ہو؟"

عورت "بنگالی اپنی عورت کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھتے ہیں"

نوکمار "میں بنگالی ہوں۔ مگر آپ بھی تو بنگالن کی طرح باتیں کرتی ہیں۔ آپ کس مُلک کی رہنے والی ہیں؟"

عورت نے اپنے لباس کی طرف نظر ڈال کر کہا" بدنصیب بنگالن نہیں ہے۔ پچھم دیس کی رہنے والی مسلمانی ہے"

نوکمار "پہناوا تو مُسلمانی ہے مگر زبان تو اسی مُلک کی معلوم ہوتی ہے۔ لب و لہجہ بنگالنوں جیسا ہے۔"

عورت نے ذرا تامل کے بعد کہا۔ بات بات میں آپ مجھے جان گئے۔ اب یہ فرمایئے جس گھر میں وہ حسین عورت رہتی ہے وہ گھر کہاں ہے؟"

نوکمار "میں سپت گرام کا رہنے والا

ہوں"۔ عورت نے چراغ کی روشنی کو ذرا تیز کر کے کہا۔ "اس لونڈی کا نام "موتی" ہے۔ کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں؟" نوکمار نے کہا "میرا نام نوکمار شرما ہے۔" اتنے میں چراغ بجھ گیا۔

تیسرا باب

سُندری دشمن

نوکمار نے بھٹیارے کو بلا کر دوسرا چراغ منگایا۔ کئی لمحوں کا وقفہ ہوا۔ نوکمار نے اس عورت کو کئی بار لمبی اور گہری سانسیں لیتے ہوئے سنا۔ چراغ آنے پر وہاں ایک مسلمان آپہنچا۔ مسلمان نے پوچھا "تم لوگوں کو اتنی دیر کہاں لگی۔ اور سب کہاں ہیں؟"

اس نے جواب دیا "کہار مخمور ہو گئے تھے۔ ان کے اکٹھا کرنے میں ہم پالکی سے جدا ہو گئے تھے۔ جب پہنچے ٹوٹی پالکی کو دیکھ کر ہوش باختہ ہو گئے۔ کچھ لوگ اسی جگہ ہیں۔ کچھ آپ کی تلاش میں ہیں۔ میں بھی ادھر تلاش میں آنکلا۔"

موتی "جاؤ۔ ان لوگوں کو لے آؤ۔"

مسلمان سلام کر کے رخصت ہوا۔ موتی نے نوکمار سے پوچھا "آپ کس جگہ ٹھہرے ہیں؟"

نوکمار "بغل والی کوٹھڑی میں ٹھہرا ہوں۔"

موتی "میں نے اس گھر کے پاس پالکی بھی دیکھی ہے۔ کیا آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں؟"

نوکمار "میری بیوی ساتھ ہے۔"

موتی کو پھر طعنہ آمیز گفتگو کا موقع ملا۔ "کیا وہی آپ کی لاثانی بیوی ہے؟"

نوکمار "مقابلہ کرنے سے پتہ لگیگا۔"

موتی "کیا میں دیکھ سکتی ہوں؟"

نوکمار (سوچ کر) "اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

موتی "تب مہربانی کیجئے وہ لاثانی حسن مجھے بھی دکھائیے۔ آنکھیں نہایت مشتاق ہیں۔ میں بات چیت کرنا چاہتی ہوں۔ مگر ابھی نہیں فی الحال آپ جائیے۔ کچھ دیر بعد میں آپ کو اطلاع دوں گی۔"

نوکمار چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کئی لونڈی خدمتگار، مال و اسباب وغیرہ لئے ہوئے آئیں

بھکاری ڈرا مگر سنبھلکر بولا "کیوں نہیں!"
کپال کنڈلا نے تمام زیورات معہ ڈبہ کے اس
کے حوالہ کر دیئے جسم پر جو زیور تھا۔ اُسے بھی
اُتار کر دیدیا۔ بھکاری ایک لمحہ کیلئے خوش ہوگیا

لونڈی اور خدمتگار کچھ نہ سمجھے بھکاری
ایک ہی لمحہ کے لئے خوش ہوا تھا پھر
ڈبہ اُٹھا کر وہ بگٹٹ ایک طرف بھاگ
کپال کنڈلا یہ نہ سمجھ سکی کہ یہ کیوں بھاگا۔

پانچواں باب

وطن

نوکمار کپال کنڈلا کو لیکر اپنے وطن آیا
نوکمار کا باپ نہیں تھا۔ ماں بیوہ تھی دو بہنیں
تھیں۔ ایک ان میں سے شوہر کے زندہ رہتے
ہوئے بھی بیوہ تھی۔ سبب یہ تھا کہ وہ کسی
کلین برہمن کی بیوی تھی اور صرف دو ایک
مرتبہ اس کا ذکر آئے گا۔

فقیرنی کے ساتھ شادی کرنے سے
گھر والے کس حد تک خوش ہوئے۔ اس کا
حال ہمیں کیا معلوم مگر اس قدر کہہ سکتے ہیں
کہ وہ ناراض نہیں ہوئے۔ سب نوکمار کی
طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ یاتریوں نے
مشہور کر دیا تھا کہ اس کو شیر کھا گیا۔ اور اس
پر طرہ یہ کہ شیر نے ان کے سامنے نوکمار کو
پھاڑ ڈالا تھا

جب [illegible] باتیں کرتے تو کہتے کہ
شیر آٹھ ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا
نہیں جی چودہ ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔"
یاتری نے کہا "میں بال بال بچ گیا
نے پہلے میرے ہی اوپر حملہ کیا تھا۔ [illegible]
اس قدر ہمت والا نہیں تھا۔ وہ بھاگ
نہیں سکا۔"

یہ سب باتیں سنکر ایک کہرام
مچ گیا۔ ماں بہنیں رونے پیٹنے لگیں
اکلوتے بیٹے کی موت کیسی دکھدائی ہو
ہے یہ سب جانتے ہیں۔ ماں قریب المرگ
رہی تھی۔ کہ نوکمار واپس آیا۔ اب کون
کہ تمہاری بیوی کس قسم کی ہے۔ کس کی
ہے۔ سب خوشی سے پھولے نہ سما
تھے۔ نوکمار کی ماں نے بہو کو عزت
پائی [illegible]

صُورت میں اپنے آپ کو قائم رکھتا جس وقت کا یہ حال لکھا جا رہا ہے سپت گرام اُس وقت تک صُوبہ کا صدر مقام تھا اور اس میں فوجدار رہتا تھا۔ مگر تعدادِ شہر چھوٹے چھوٹے سات گاؤں میں منقسم اور مُنتشر ہوگیا۔ اسی وجہ سے وہ سپت گرام کہلاتا تھا۔

نوکمار کا گھر اسی شہر کے ایک اُجڑے ہوئے چھوٹے سے گاؤں میں تھا۔ وہاں پردیسی آدمیوں کی آمد و رفت نہیں تھی شاہراہ بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں تھی۔ مرمت کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں تھا اُس کے گھر کے پیچھے ایک گھنا جنگل بھی تھا جس سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک ندی بہتی تھی۔

مکان اینٹوں کا بنا ہُوا بالکل معمُولی تھا۔ فرش بھی اِتنا اُونچا نہیں تھا اس زمانہ میں اُونچے فرش بنانے کا رواج تھا۔

اِس چھت کے اُوپر دو نوجوان عورتیں کھڑی ہوئی چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ شام کا وقت تھا موسم نہایت پُرلطف خوشگوار تھا۔ ایک طرف خوشنما جنگل تھا جس میں ہزاروں شیریں نوا مگر خوبصورت پرند چہچہا رہے تھے دُوسری طرف ایک چھوٹی سی نہر تھی جو دُور سے روپہلی لمبے رشتے کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ تیسری طرف شہر کے بلند و بالا مکانات۔ ہاٹ۔ حویلیاں وغیرہ نظر آ رہی تھیں چوتھی طرف بھاگیرتھی ندی کی چھاتی پر کئی جہاز آہستہ آہستہ پانی اُچھالتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

دونوں عورتوں میں سے ایک گوری ماہ پارہ تھی جس کے لمبے لمبے گیسو بادل کی طرح گھیرے ہوئے اُس کے چہرے کی چمک دمک چھپا رہے تھے۔ دُوسری سانولی تھی۔ اِس سانولی کا قد چھوٹا اور آنکھیں بھی چھوٹی تھیں نیلے کمل جیسے ہاتھ پاؤں آنکھیں چمکتی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی اُنگلیاں۔ گورے رنگ والی عورت کپال کُنڈلا تھی اور سانولی اس کی نند شیاما سُندری تھی۔

شیاما سُندری اپنی بھاوج کو کبھی عزت کے ساتھ بہو اور کبھی محبت کے خیال سے بہن اور کبھی حُسن کے خیال سے مرنائنی کہا کرتی تھی۔ کپال کُنڈلا اچھا نام نہیں تھا۔ گھر میں کوئی اس نام کو پسند نہیں کرتے

گجبدن کے گھر بسا لینے سے گلشن ہوگیا
بے دلی منظور ہم ہرگز نہ کرتے عمر بھر
کیا کہیں لیکن وہ دل اپنے میں پُرفن ہوگیا

مرن مئی۔ "بہت اچھا میں نے پارس کو چھوا۔ سونا ہوئی۔ لٹ باندھے اچھے اچھے کپڑے پہنے جوڑے میں پھول لگا لیا گلے میں چندرہار پہن لیا۔ کانوں میں کرن پھول لٹکا لئے۔ چندن۔ کمکما۔ زیور۔ پان سے مُنہ لال کر لیا۔ سونے کی پُتلی بن گئی۔ دل سے سمجھ لیا۔ سب کچھ ہوگیا پھر اس سے سکھ کیا ملا؟"

شیاما۔ "اچھا بتاؤ پھولوں کے کھلنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟"

مرن مئی۔ "اوروں کو دیکھنے سے سکھ ملتا ہے پھولوں کو کیا سکھ ہے؟"

شیاما سندری متعجب ہوئی پھول کو کیا سکھ ملتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتی میں پھول بنکر کھلی نہیں اگر تمہاری طرح کلی ہی ہوتی تو کھلے بغیر رہتی اور سکھی ہوتی

مرن مئی نہ سمجھ سکی تب شیاما نے پھر کہا "یہ بھی نہ سہی مگر تم یہ بتاؤ تم کو سکھ کس بات میں ملتا ہے؟"

مرن مئی سوچنے لگی۔ بولی "ٹھیک نہیں کہہ سکتی۔ سمندر کے کنارے کنارے جنگل جنگل گھومنے میں مجھے سکھ ملتا ہے۔ یہ جانتی ہوں۔"

شیاما ڈر گئی۔ مرن مئی نے اس کی باتوں سے نہ ہمدردی ظاہر کی نہ احسان جتایا۔ وہ آزردہ دل ضرور ہوئی۔ مگر غصّہ نہیں آیا۔ اُس نے کہا۔ کیا اب پھر واپس جانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے!"

مرن مئی۔ "کوئی تدبیر نہیں ہے!"

شیاما۔ "پھر کیا کرو گی؟"

مرن مئی۔ "پُجاری جی کہا کرتے تھے۔ جیسے ایشور کی مرضی ہوگی۔ ویسا ہوگا۔"

شیاما مُنہ پر رومال رکھ کر ہنسنے لگی "پُجاری جی بھٹاچاریہ مہاشے ہیں؟"

مرن مئی نے ایک گہری سانس کھینچی "جو ایشور نے پیشانی پر لکھا ہے وہی ہوگا اور میں وہی کروں گی۔"

شیاما۔ "قسمت میں کیا لکھا ہے؟"

صفحہ ۳۹ سطر ۵ وقت تنہائی الخ۔ یہاں شعر و زبان میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہندی میں ترجمہ ہوچکی ہے سنسکرت کا مگر شیاما کی ذہن نشین کرانے کی بنگالی شاعری کی مزالقیہ سے بالکل مختلف ہے اسلئے صرف نفس مضمون کو ذہن میں رکھ کر خیالات کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ مترجم

لیا گیا۔ اس عرصہ میں لطف النسا بھی جوان
ہو گئی اُس نے آگرہ میں فارسی عربی رقص
سرود وغیرہ علوم میں مہارت حاصل کر
لی حُسن تو خداداد تھا مگر جس طرح اُسے
دیگر ظاہری علوم سکھائے گئے اس طرح دھرم
کی تعلیم نہیں دی گئی تھی۔ جوانی دیوانی ہوتی
ہے کس نے عالم شباب کے جذبات
قابو میں کئے ہیں۔ اس میں طاقت نہیں
تھی نفس پر غالب رہنا ہر شخص کا کام نہیں
ہے۔ دھرم اور ادھرم کا سمجھنا مشکل ہے
چنانچہ اس کی طبیعت مائل ہو جاتی تھی وہ
وہی کام کرنے لگ جاتی تھی جب نیکی
کی رغبت ہوتی نیکی اور جب بدی کا
خیال آتا تو بدی سے تعلق رکھتی مستانی
جوانی کی امنگ میں جو جو عیب انسان
میں آجاتے ہیں ان سے یہ بھی نہ بچی۔
چونکہ اس کا شوہر ابتک زندہ تھا اس
لئے کبھی اور کے ساتھ شادی کرنے
کی خواہش نہ ہوتی تھی اور وہ بھی کچھ اتنی
شادی کی خواہشمند نہیں تھی وہ دل میں سوچتی
تھی کہ تیتری کی طرح ایک پھول سے اُڑ
کر دوسرے کی خوشبو لینے میں زیادہ مزہ
ہے اس کا یہ ڈھنگ باپ کو پسند نہ آیا
جب لوگوں میں تشہیر ہونے لگی تو اُس نے
اُسے گھر سے نکال دیا۔

لطف النسا کے دامِ محبت میں جو لوگ
پھنسے ہوئے تھے اُن میں سے ایک شاہزادہ
سلیم بھی تھا۔

اب موقع بات آیا راجہ مان سنگھ کی
بہن شاہزادہ سلیم کو بیاہی ہوئی تھی۔
سلیم نے لطف النسا کو اُس کی سہیلی بنایا
کہنے کے لئے تو وہ سکھی سہیلی تھی مگر اصل میں وہ
اُس کی کچھ اور بھی تھی۔ لطف النسا خوب
جانتی تھی کہ یہ ہوشیار اور موقع میں ہیں
کبھی وقت سلیم کی پٹرانی بن جاؤں گی۔
یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

سلیم بھی اسے پہلے بہت چاہتا تھا۔
لطف النسا کو اس کی بیگم بننے کا شوق پیدا
ہوا۔ اس نے دل میں عہد کر لیا کہ میں اس
کی عزت کی مستحق ضرور ہوں گی۔ مگر دنیاوی
اراکین اس بات کے برخلاف تھے۔
لطف النسا دن رات اسی فکر میں غلطاں و
پیچاں رہتی تھی نہ دن کو چین نہ رات کو نیند
آتی تھی۔ دن بدن دل میں اس کی یہ تمنا
راسخ و مضبوط ہوتی جاتی تھی۔ اکبر کے
خزانچی خواجہ اقتدار الدولہ کی لڑکی مہرالنسا

اس وقت مہر النسا نے اپنی عظمت کا سکہ بٹھانے کا مضبوط ارادہ کیا۔

مان سنگھ کی بہن سلیم کی خاص بیگم تھی خسرو اس کا لڑکا تھا۔ اس بیماری کی حالت میں اکبر کے ساتھ کچھ بات چیت ہوئی۔ کیسے ممکن تھا کہ مان سنگھ کی بہن ایک معمولی مسلمانی عورت کے تابع رہے لطف النسا بھی اس خیال میں شریک تھی اور اس کی شرکت غرض سے خالی نہیں تھی وہ جانتی تھی کہ مغلوں کی سلطنت کی بنیاد راجپوتوں کی قوت بازو پر قائم ہے مان سنگھ راجپوتوں کا سردار خسرو کا ماما ہے اس کے سوا خان اعظم اکبر کا وزیر خسرو کا سسر ہے کیا یہ دونوں شخص مل ملا کر سلیم پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتے تھے اگر یہ نہ چاہتے تو سلیم کبھی تخت پر نہیں بیٹھ سکتا لطف النسا نے بیگم سے کہا "مان سنگھ کو اپنا ہمراز بنا لو خان اعظم اور دوسرے امرا کو شریک کر لو میں ان کو اپنے زیر اثر لاؤنگی اور کیا عجب خسرو تخت پر بیٹھ کر اس بدذات عورت مہر النسا کو شہر بدر کر کے خارج الوطن کر دے"

بیگم لطف النسا کی بات سمجھ گئی مگر ہنسکر بولی تم آگرہ میں جس امیر کو پسند کرو اس کے ساتھ تمہاری شادی کرا دی جائے اور میں اس کو پنجہزاری کا منصب دلا دونگی لطف النسا راضی ہوگئی یہی اس کی غرض تھی۔ اگر دار السلطنت میں وہ اور عورتوں کی طرح کسی کی دست نگر رہی۔ تو پھر سکھ اور آرام کیا ملیگا؟ اگر کسی منصبدار کی بیوی ہوگئی تب بھی کچھ فخر کی بات ہے لطف النسا صرف اسی غرض سے بیگم کی ہمراز نہیں بنی تھی سلیم اس کو چھوڑ کر مہر النسا کے پیچھے پڑ گیا تھا اور وہ اس سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔

خان اعظم وغیرہ آگرہ اور دہلی کے امرا لطف النسا کے متعارف تھے۔ خان اعظم ضرور داماد کی حمایت کریگا اس میں ذرا بھی شک نہیں تھا۔

خان اعظم نے لطف النسا سے کہا۔ "اچھا لیکن اگر تدبیر سے کام نہ نکلا۔ تو پھر تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہیگی۔ اس لئے ایک راہ اختیار کر لی ہوگی۔"

لطف النسا نے کہا "آپکی کیا رائے ہے؟"

خان اعظم نے جواب دیا "اڑیسہ کے سوا اور کہیں کسی پر نظر نہیں جاتی۔ اس کا اور

موتی "ہنسی مجھ جیسی کیلئے دو شوہر یہ بے انصافی ہے۔ وہ دیکھو۔ کون جا رہا ہے؟"

جس کو دیکھکر موتی نے یہ سوال کیا تھا پیش نواز نے اُسے پہچان لیا۔ وہ خان اعظم کا آدمی تھا دونوں متحیر تھے پیش نواز نے آواز دی آتے ہی اُس نے لطف النسا کو سلام کرکے ایک خط اُس کے ہات میں دیکر کہا "یہ خط لیکر میں اڑلیسہ جا رہا تھا۔ بڑا ضروری خط ہے۔"

لطف النسا نے خط پڑھا دریائے حسرت و یاس میں غوطے کھانے لگی اُمید و دل کا خون ہوگیا خط کا مضمون یہ تھا۔

"ہماری محنت اکارت گئی بادشاہ اکبر نے مرتے وقت اپنی حکمت عملی سے ہماری تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ شاہی تخت پر وہ سلیم کو بٹھا گیا اور سلیم نے اپنا نام تبدیل کرکے جہانگیر رکھ لیا۔ اب خسرو کے لئے کسی قسم کی محنت نہ کرو تاکہ موقع پر کوئی تمہاری برائی نہ کر سکے ایسی کوشش کرو کہ جلد آگرہ آجاؤ۔"

اکبر نے جس طرح اس موقع پر داؤں گھات کھیلے ہیں وہ تواریخ میں مذکور ہیں۔

یہاں دوبارہ اس بات کے اعادہ کی ضرورت نہیں انعام دے کر موتی بی بی نے قاصد کو رخصت کیا پیش نواز نے پوچھا۔ "اب کیا تدبیر ہے؟"

موتی "اب کوئی تدبیر نہیں ہے۔"

پیش نواز (کچھ سوچکر) "اچھا کیا مضائقہ ہے جس طرح پہلے تھیں اب بھی اُسی طرح رہو گی۔ بادشاہ کی مدخولہ بیگم بھی دوسرے راجہ کی رانیوں سے زیادہ ذی حشمت اور رعنا سمجھی جاتی ہے۔"

موتی۔ (ہنسکر) "اب ایسا نہ ہوگا۔ اب میں دارالسلطنت کو نہ جاؤں گی۔ جہانگیر فوراً ہی مہرالنسا سے شادی کر لیگا اور اس کا زور بڑھ جائیگا۔ بادشاہ نام کے لئے رہ جائیگا میں ہمیشہ سے مہرالنسا کی مخالفت کر رہی ہوں وہ جان جائیگی اور میں آماجگاہ مصیبت ہونگی۔"

پیش نواز نے منہ بنا کر کہا۔ "پھر کیا کیا جائے؟"

موتی "صرف ایک سہارا ہے مہرالنسا کا دل جہانگیر کی طرف کس طرح ہے اگر مہرالنسا اپنے شوہر شیر افگن ہی کو پیار کرتی ہے تو جہانگیر بھی کچھ نہیں کر سکتا

ہوگی۔ دیکھیے یہ کیا کہتی ہے؟ ادھر موتی بولی بھی اُس کے دل کا حال جاننے کی بہت خواہشمند تھی۔"

مہر النسا اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ سلیقہ شعار اور حسین عورت مشہور تھی۔ کون جانے وہ دنیا میں بھی فرد دیکھتی رہی ہو۔ خوبصورتی کے باب میں تمام حسین عورتوں سے اہل قلم مورخوں نے اس کے حسن کا گیت گایا ہے اور اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے وہ علم و فن میں بھی لاثانی تھی رقص و سرود میں بے مثال تھی۔ فن شاعری کی دسترس اور کمال مصوری سے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ لوگ فریفتہ ہو جاتے تھے۔ اُس کی دلآویز اور دلفریب مگر میٹھی میٹھی باتیں اُس کے حسن سے بھی کہیں زیادہ پُراثر و دلکش تھیں، علیٰ ہذا القیاس موتی بھی کچھ کم نہ تھی۔ آج یہ دونوں ایکدوسری کے خیالات بھانپنے کی کوشش میں سرگرم تھیں۔"

مہر النسا اپنے خاص کمرے میں بیٹھی تصویر بنا رہی تھی موتی پیچھے بیٹھی ہوئی تصویر کی رنگینیاں غور سے دیکھ رہی تھی اور پان کھاتی جاتی تھی۔

مہر النسا نے پوچھا "یہ تصویر کیسی ہے؟"

موتی۔ "تمہاری بنائی ہوئی تصویریں جیسی دلفریب اور دلکش ہوتی ہیں ویسی ہی یہ بھی ہیں۔ تمہارے سوا ایسی اچھی تصویریں کون بنا سکتا ہے۔ مصور تمہاری گلکاری دیکھکر شرماتے ہیں۔"

مہر النسا۔ "اگر یہی بات ہوتی تو پھر مجھے دکھ کیوں ہوتا؟"

موتی۔ "فن مصوری میں اگر کسی کو اس طرح کمال حاصل ہوتا تو بلاشبہ تمہارا منہ ہی اس کی مصوری کا شاندار معراج ہوتا۔"

مہر النسا۔ "اس منہ کا معراج قبر کی مٹی میں رہے گا۔"

موتی۔ "نہیں آج خلاف معمول مزاج اس قدر سست کیوں ہے اور چہرے پر پژمردگی کے آثار کیوں نظر آرہے ہیں؟"

مہر النسا۔ "سست اور پژمردہ خاطر تو نہیں ہوں۔ ہاں! کل تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤگی۔ اس وقت بیشک طبیعت بہت گھبرائے گی اور رنج و ملال ہوگا دو چار دن اور ٹھہر جاؤ۔"

موتی۔ "شکر کون نہیں چاہتا اگر میرا بس چلتا تو میں کیوں جاتی۔ میں دوسرے کے

کے لئے یہ الفاظ زبان سے نکالے ہیں تم
جانتی ہو کہ میں شیر افگن کی بیوی ہوں ان
کی کنیز ہوں پھر ایسی بات کبھی منہ سے نہ نکالنا
موتی تھوڑی دیر تک جھجکی نہیں تو موقع کی
تلاش میں تھی بولی "میں جانتی ہوں کہ بادشاہ
تمہاری ایک ایک ادا پر لٹو ہو رہا ہے۔
اور وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا کیا تم نے
نہیں سنا" شاعر تمہاری تعریف میں کہتے
ہیں " نور جہاں گرچہ بظاہر زن است تو
در صف مرداں زن شیر افگن است" تم
خود بڑی دور اندیش ہو، شاعر ہو، عالم
ہو، عاقلہ ہو، شعر و سخن میں نور جہاں تخلص
کرتی ہو، میں کیسے مان لوں کہ جہانگیر تم کو
نور جہاں بنا کر نہ چھوڑے گا۔"
مہرالنساء "تمہاری بات میری
سمجھ میں آئی پھر خوف کیا ہے؟"
موتی "میں کیا کہوں؟" مہرالنساء
نے سوچ کر کہا "مجھے بیوہ ہونے کا خوف ہے
شیر افگن بہادر جانباز ہے وہ لڑنے سے
باز نہ آئیگا پھر اگر شکست ہو گیا تو بھی وہ
دوسرے کی جورو کو کسی اور کی جورو بنا دیگا۔"
موتی "سچ ہے مگر شاید تم کو آگرہ کی
خبر نہیں علی اکبر مر گیا سلیم تخت پر بیٹھا ہے۔
اُسے روک کون سکتا ہے؟"
مہرالنساء کانپ اٹھی آنکھ سے آنسو
جاری ہوئے۔
موتی "روتی کیوں ہو؟"
مہرالنساء "سلیم دہلی کے تخت پر
بیٹھا اور میں کہاں ہوں؟"
موتی کی مراد بر آئی وہ اس کے دل
کا حال جان گئی۔ بولی "اب تک تم بھی سلیم کو
نہیں بھولی ہو؟" مہرالنساء کا دل بھر آیا۔
مایوسانہ انداز سے بولی "اپنے کو بھول سکتی ہوں
مگر سلیم کو کیسے بھولوں! سنو بہن! دل کا
دروازہ تم نے یکبارگی کھلا ہوا دیکھ لیا۔
تم کو قسم ہے یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے
پائے۔"
موتی "ایسا ہی ہوگا لیکن یہ بتاؤ
جب میں آگرہ پہنچوں گی تو سلیم ضرور سوال
کریگا کہ تم مہرالنساء سے ملی تھیں اور اس
نے کیا کہا؟ اس وقت میں کیا جواب
دوں گی؟"
مہرالنساء (سوچ کر) "یہ کہہ دینا کہ
مہرالنساء تم کو نہیں بھولی وہ ہر وقت دل
ہی دل میں یاد کرتی رہتی ہے جان جائے
تو جائے لیکن ان کی یاد نہیں جا سکتی۔"

تم نہیں ہو سکتی۔"

لطف النساء "کیوں؟ تم ہی نے کب
ایسا کہا ہے۔ فکر نہ کرو۔"

پیش نواز "اگر آپ بیگم نہیں ہو سکتیں تو پھر
فکر کیوں نہ ہو۔ پھر تو سب کچھ کرنا یا نہ کرنا بیکار ہو جائے گا۔"

لطف النساء "اب مجھے دہلی یا آگرہ
سے کوئی مطلب نہ ہوگا۔"

پیش نواز "کیوں، میں نہیں سمجھ سکتی
آج کیا ہوا۔ واضح طور سے فرمایئے۔"

لطف النساء "یہ سمجھ لے کہ اب زندگی
بھر دہلی یا آگرہ [illegible]"

پیش نواز "کہاں رہا کریں گی؟"

لطف النساء "بنگال ہی میں رہوں گی اور
اگر ممکن ہوا تو کسی بھلے مانس کی بیوی بن کے
رہوں گی۔"

پیش نواز "میرا تو جیسے دل رہا ہے۔
بات کیا ہوئی؟"

لطف النساء "میرا جی اچھ آگرہ سے
چل نکلا۔ بادشاہ کی خدمت سے [illegible]"

پیش نواز "ایسا ارادہ کیوں کیا؟"

لطف النساء "آگرہ میں تو بہت سے تگ و دو
کئے پر کچھ ہاتھ نہیں آیا۔
بچپن سے [illegible]

لٹایا، محنتیں اٹھائیں، کوششیں کیں اور جس کے
لئے سب کچھ کیا وہ ہاتھ نہیں آیا۔ حکومت
رسوخ، عزت و راحت سب کا مزہ لیا۔
مگر اس کا انجام کیا ہوا؟ آج یہاں بیٹھ کر
میں کہہ سکتی ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی
مجھے سکھ نہیں ملا۔ لالچ اور ہوس بڑھتی
ہی گئی مگر تمام بے سود اور بے کام کا۔
اگر ان سب میں راحت اور خوشی ہوتی تو
ایک دن تو مجھے آرام ملتا۔ مگر میں پہاڑی ندی
کی طرح بہتی ہوئی اپنی ہی دھن میں چلتی رہی۔
ندی چاہے جس قدر شور مچائے مگر اس کی
سنتا کون ہے۔ اس پر بھی وہ جس قدر آگے
بڑھتی ہے اسی قدر گندی ہوتی ہے۔ لہریں
اٹھتی ہیں، بھنور بنتی ہیں۔ گھڑیال، مینڈک،
مچھلی، کیکڑے سب اس کے اندر رہتے
ہیں۔ مٹی سے مل کر پانی کہیں کہیں کھاری ہو
جاتا ہے، کہیں کہیں ریت کے ٹیلے
بن جاتے ہیں۔ تیزی میں بھی فرق آجاتا ہے۔
بالآخر ندی سمندر میں جا کر کہاں چھپ جاتی
ہے یہ کون کہہ سکتا ہے۔"

پیش نواز "مگر ان باتوں سے اور
سکھ سے کیا نسبت ہے؟"

لطف النساء "سمجھ، میں نے اتنے سالوں

اب نہیں چھوٹ سکتی۔"

پھر اُس نے سر اونچا کیا گردن اٹھائی اور اپنی رسیلی چتونوں سے نوکمار کو دیکھنے لگی جو دل منتوں اور سختیوں کے طوفان سے بھی نہ ہلا تھا۔ وہ کے دم میں اس کی حالت میں ایک عجیب و غریب تبدیلی آ گئی۔ جو غرور دل کی آگ میں جل گیا تھا۔ آج اس سے روشنی برآمد ہوئی جس طاقت نے ہندوستان کے بادشاہ کی سزا کا دوبارہ نہ مانا۔ وہی طاقت آج اس کے نازک جسم میں آئی پیشانی پر جھومر اپنی آب و تاب سے جگمگا رہا تھا گلے میں نولکھا ہار اور جگنو اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے اُن کے درمیان اُس کا چہرہ پورنماشی کے چاند کی طرح نور برسا رہا تھا۔ آنکھیں چڑھا کر ابروؤں میں بل ڈال کر بولی۔ اس زندگی میں میں نہیں بھول سکتی۔ تم میرے ہی ہو گے۔"

نوکمار کے دل میں ایک ہلچل سی مچ گئی حسن کی یہ جلوہ آرائیاں جو اُس نے اُس وقت لطف النسا کے چہرے پر دیکھی تھیں پہلے نظر سے نہیں گذری تھیں اُس نے ڈر کر چلنے کے ارادے سے قدم اُٹھائے۔ یکایک جیسے کسی نے پاؤں پکڑ لئے دل میں خیال آیا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی بیوی پدماوتی کو پلنگ سے اُتار دیا تھا گو اُس وقت وہ بہت کمسن تھی۔ مگر مایوسانہ انداز سے بار بار میری طرف دیکھتی تھی۔ ہو بہو اُس کا سر بھی اِسی طرح ہلا تھا۔ قریب قریب شاید ایسی ہی شکل اس کی بھی رہی ہوگی مجھے یاد نہیں ہے۔ مدت کی بات ہوئی بہت دنوں بعد آج اس کی یاد آئی۔ یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر ضبط کر کے آہستہ لہجہ میں پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

لطف النسا کا چہرہ جوش سے گلگوں ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک آ گئی۔ بولی "میں پدماوتی ہوں"

جواب کا انتظار نہ کر کے وہ وہاں سے ہٹ گئی اور نوکمار بھی شک و شبہ میں پڑا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

ساتواں باب
جنگلی علاقہ

دوسرے کمرے میں جا کر لطف النسا نے دروازے بند کر لئے دو دن تک وہ

کپال کُنڈلا۔ "کیوں؟"

نوکمار۔ "کہاں جاتی ہو؟"

نوکمار کی باتوں میں لعنت ملامت کا ذرا بھی شمول نہیں تھا۔

"شیاما سندری اپنے شوہر کے بس میں کرنے کے لئے جڑی بوٹی چاہتی ہے میں اسی کی تلاش میں جا رہی ہوں۔"

نوکمار۔ "کل بھی تو گئی تھیں آج پھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

کپال کُنڈلا۔ "کل با وجود تلاش کے بھی وہ نہیں ملی آج پھر ڈھونڈوں گی۔"

نوکمار۔ "کیا یہ کام دن میں نہیں ہو سکتا ہے" یہ بات اس نے محبت آمیز لہجہ میں کہی تھی۔

کپال کُنڈلا۔ "دن میں لانے سے دوا اثر سے خالی رہتی ہے۔"

نوکمار۔ "پھر تمہیں جانیکی کیا ضرورت ہے مجھے بتا دو میں لا دوں۔"

کپال کُنڈلا۔ "میں اُسے صرف پہچانتی ہوں نام نہیں جانتی۔ اگر تم ساتھ چلوگے تو پھر اثر نہ ہوگا عورتوں کو اپنی لٹ جھٹکا کر اکھیڑنا پڑتا ہے تم دوسرے کے کام میں خلل انداز نہ ہو۔"

یہ بات کپال کُنڈلا نے طعن آمیز لہجہ میں ناراضگی کے ساتھ کہی تھی۔ نوکمار نے کوئی روک ٹوک نہیں کی۔ بولا "چلو میں تمہارے ساتھ چلونگا۔"

کپال کُنڈلا کو بُرا معلوم ہوا۔ اس نے طعن آمیز انداز سے کہا۔ "آؤ! چلو دیکھیں اعتبار کے قابل ہوں یا نہیں۔ اس کا پتہ لگ جائے گا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا"

نوکمار نے کچھ نہیں کہا۔ ایک گہرا سانس لیا۔ کپال کُنڈلا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ اکیلے جنگل کی طرف چلی گئی۔

دوسرا باب

جنگل

سپت گرام کا یہ حصہ جنگلی تھا پہلے کہا جا چکا ہے کہ گرام سے کچھ ہی دور پر گھنا جنگل تھا۔ رات بہت سہاونی تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر تارے چمکتے ہوئے تھے۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی پر نظارہ دیکھا رہی تھی چاندنی کی صاف شفاف جھلاکریں درختوں کے ٹھنڈے ٹھنڈے پتوں پر آرام کر رہی تھیں ہر چہار طرف خاموشی کا عالم تھا۔

دیکھا کہ کپال کنڈلا کی ملاقات ایک نوجوان برہمن سے ہوتی
ہے۔ وہ آج بھی اسی سے ملنے جا رہی ہے۔ دیکھنا منظور
ہو تو میرے ساتھ چلو میں تمہیں دکھا دوں گا۔
کپال کنڈلا اس قابل ہے کہ فوراً قتل کر دی جائے۔
میں بھوانی کے حکم سے اسے ذبح کر دونگا۔ اس نے
تمہارے ساتھ بیوفائی کی ہے تم کو بھی اس کے قتل میں شریک
ہونا چاہیے اس بیوفا عورت کو پکڑ کر میرے حوالہ کر دو
یگیہ کے استھان پر چلو اپنے ہاتھ سے اس کو ذبح کرو
ایسا کرنے سے مائی بھگوتی تمہارا قصور معاف کر دیگی
اور اس نیک کام کا تمہیں بہت بڑا ثواب ملیگا۔
بیوفا عورت سزا کے قابل ہے اس سے ہر طرح بدلہ
لینا مناسب ہے۔

اتنا کہکر کپالی خاموش ہو گیا نوکمار نے کچھ جواب نہیں دیا
تب کپالی پھر مخاطب ہوا۔ "دیکھ! چلو! میں تمہیں
دکھا دوں" نوکمار کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا تھا
اٹھا اور کپالی کے پیچھے پیچھے چل کھڑا ہوا۔"

ساتواں باب

سوت کی باتیں

گھر سے نکلکر کپال کنڈلا جنگل میں پہنچی وہاں
برہمن دکھائی دیا۔ گو دن کا وقت تھا تو جان جاتی کہ یہ
لگتی ہے جیسے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں مگر رات کو
کیا معلوم ہو سکتا تھا! اس نے کہا "یہاں کپالی
آتا ہوگا۔ ٹھہرنا مصلحت نہیں ہے اور جگہ چلو۔"
جنگل میں ایک صاف ستھری جگہ تھی جس کے چاروں
طرف سربفلک درخت کھڑے تھے انہیں کے پاس سے
ایک راستہ بھی گیا تھا۔ برہمن بھیس والی عورت کپال
کنڈلا کو وہاں لے گئی دونوں زمین پر بیٹھ گئیں پھر
اس نے کہا "پہلے میرا حال سنو وہ کہاں تک اعتبار
کے قابل ہے تم خود سمجھ جاؤ گی جب تم اپنے شوہر
کے ساتھ آ رہی تھیں راہ میں تم ایک مسلمانی
عورت سے ملی تھیں کیا تمہیں یاد ہے؟"

کپال کنڈلا "جو بہت دلگیر ہو رہی تھی؟"

عورت "ہاں! میں وہی ہوں"

کپال کنڈلا ڈری اور متحیر نگاہوں سے اس
کی طرف دیکھنے لگی۔ لطف النساء نے کہا "تم ذرا غور سے دیکھ
کر لو، اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ میں
تمہاری سوت ہوں۔"

کپال کنڈلا "کیونکر؟"

تب لطف النساء نے اپنی باتیں سنائیں خاندان
کے مسلمان ہو جانیکا حال بتایا۔ آگرہ میں جہانگیر

وجہ سے خواہ کچھ بھی کہیں دراصل ہم دنیا عزیز رکھتے ہیں
کی ہی چاہ رکھتے ہیں سکھ کی زبردست آرزو سب
سے دکھ کوئی بھی نہیں چاہتا جب سکھ نہیں ملتا
تب گھبرا اٹھتے ہیں اور زندگی بوجھ معلوم ہوتی ہے۔
دکھ کا سبب مزاج اور طبیعت کے خلاف کام کا
ہونا ہے ورنہ ہر جگہ سکھ ہی سکھ ہے۔ ہم اسے
چھوڑنا نہیں چاہتے ایک وہ سبب ہے ہم سب
خواہشوں کی زنجیر سے جکڑے ہوئے رہتے ہیں۔
کپال کنڈلا کو اس زنجیر نے جکڑا نہیں تھا پھر اسے
مرنے سے کون روکتا ہے جس کو کسی گھر سے تعلق
نہیں ہے بالکل آزاد ہے وہ جو چاہے کرے
کرلے وہ مذہب کے نام پر آئندہ سکھ کے خیال سے
اپنے آپ کو قربان بھی کرسکتی ہے کپال کنڈلا
اونچی طبیعت کی عورت تھی بلند نظر کو پستی کی طرف کھینچنے
کے لیے کون مجبور کرسکتا ہے؟"

کپال کنڈلا نے اپنے دل سے پوچھا کیوں
یہ جسم جگدمبا بھوانی کے نذر نہ کیا جائے۔ رہتا صرف
جسم کو لیکر کیا ہوگا جتنا صبر کا کام ہے میں ابھی
قید و بند کے سامان ہیں۔

کپال کنڈلا سر جھکا کر چلنے لگی۔ جو لوگ اونچے
کسی خیال میں محو رہتے ہیں انکو آس پاس ارد گرد
کے حالات واقعات اور اثرات کا پتہ نہیں چلتا اور دل میں
رہتا ہے وہ اسی حالت میں تھی۔ آواز آئی "وتس!"

میں راہ دکھاتا ہوں"۔ کپال کنڈلا نے آواز سنکر
سر اٹھایا آسمان کو دیکھا وہ سرخی مجسم نظر آیا۔"
ستارے منڈمال کی طرح نظر آنے لگے یہ صرف
اس کا خیال ہی خیال تھا وہ مرنے کو تیار تھی خون کا
خیال دل پر حاوی تھا دیوتا خون کی پیاسی ہے
اس کا عقیدہ تھا گویا وہ اسے پکار رہی تھی اور
وہ جانے کو تیار تھی۔"

وہ سر اٹھا کر چلی۔ نوکمار اور کپالی کو کیا
خبر کہ وہ کس خیال میں محو ہے۔ نوکمار کے دل میں
حسد کی آگ بھڑک رہی تھی اس نے کہا "کپالی!"
اس نے جواب دیا "کیا ہے" اس نے کہا "پیاس ہے
پانی دے"۔ اس نے شراب پلا دی۔
نوکمار "اب کیا دیر ہے؟"
کپالی "دیر نہیں ہے۔"
نوکمار نے پکارا "کپال کنڈلا!"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا کہ کون پکارتا
ہے اکٹھی ہوگئی۔ دونوں پاس آگئے۔ وہ
پہلے پہچان نہ سکی۔ پوچھا "کیا تم یم کے دوت
ہو؟" جواب ملا "نہیں"۔ پھر اس نے کپالی کو
پہچان لیا۔ بولی "پتا جی! کیا مجھے بلیدان دینے
آئے ہو؟" نوکمار نے کپال کنڈلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔
کپالی نے کہا "وتس! میرے ساتھ آؤ" اور وہ
شمشان کی طرف چلا آگے وہ پیچھے پیچھے!

دوسرے خواہ کچھ ہی کہیں، در اصل ہم دنیاوی سکھوں
کی ہی چاہ رکھتے ہیں۔ سکھ کی زبردست آرزو سب
سے۔ دکھ کوئی بھی نہیں چاہتا۔ جب سکھ نہیں ملتا
تب گھبرا اٹھتے ہیں اور زندگی بوجھ معلوم ہوتی ہے۔
دکھ کا سبب مزاج اور طبیعت کے خلاف سہنے کا
ہونا ہے ورنہ ہر جگہ سکھ ہی سکھ ہے۔ ہم اسے
چھوڑنا نہیں چاہتے ایک وجہ سبب ہے۔ ہم سب
تعلقات کی زنجیر سے جکڑے ہوئے رہتے ہیں۔
کپال کنڈلا کو اس زنجیر نے جکڑا تھا پھر اُسے
مرنے سے کون روکتا ہے؟ جس کو کسی گھر سے تعلق
نہیں ہے، اُس کو آزادی ہے۔ وہ جو چاہے کرے
کرلے۔ وہ مذہب کے نام پر اپنے دکھ سکھ کے خیال سے
اپنے آپ کو قربان بھی کرسکتا ہے۔ کپال کنڈلا
اونچی طبیعت کی عورت تھی۔ بلند نظر کو پیچھے کی طرف کھینچنے
کے لئے کون مجبور کرسکتا ہے؟"

کپال کنڈلا نے اپنے دل سے پوچھا کہ کیوں
یہ جسم جگدمبا بھوانی کے نذر نہ کیا جائے۔ رہنا صرف
جسم کو لیکر کیا ہوگا۔ تھا صرف کام کے ہیں! یہ بھی
قید ہونے کے سامان ہیں۔"

کپال کنڈلا سر جھکا کر چلنے لگی۔ جو لوگ
کسی خیال میں محو ہوتے ہیں، انکو اس پاس
کے حالات واقعات اور اثرات نہیں معلوم ہوتے۔ دل
رہتا ہے۔ وہ اسی حالت میں تھی۔ آواز آئی "وتس!"

"میں راہ دکھاتا ہوں"۔ کپال کنڈلا نے آواز سنکر
سر اٹھایا آسمان کو دیکھا وہ سرخی مجسم نظر آیا۔"
ستارے منڈمال کی طرح نظر آنے لگے یہ صرف
اس کا خیال ہی خیال تھا وہ مرنے کو تیار تھی خون کا
خیال دل پر حاوی تھا دیوتا خون کی پیاسی ہے"
اُس کا عقیدہ تھا۔ گویا وہ اُسے پکار رہی تھی اور
یہ جانے کو تیار تھی۔"

وہ سر اٹھاکر چلی۔ نوکمار اور کپالی کو کیا
خبر کہ وہ کس خیال میں محو ہے۔ نوکمار کے دل میں
حسد کی آگ بھڑک رہی تھی اُس نے کہا "کپالی!"
اُس نے جواب دیا "کیا ہے"؟ اُس نے کہا "پیاس ہے"
پانی دے"۔ اُس نے شراب پلادی۔

نوکمار "اب کیا دیر ہے؟"

کپالی "دیر نہیں ہے"

نوکمار نے پکارا "کپال کنڈلا!"

اُس نے سر اٹھاکر دیکھا کہ کون پکارتا
ہے، اکھڑی ہوگئی۔ دونوں پاس آگئے۔ وہ
پہلے پہچان نہ سکی۔ پوچھا "کیا تم جم کے دوت
ہو"؟ جواب ملا "نہیں" پھر اُس نے کپالی کو
پہچان لیا۔ بولی "پتاجی! کیا مجھے بلدان دینے
آئے ہو"؟ نوکمار نے کپال کنڈلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔
کپالی نے کہا "وتس! میرے ساتھ آؤ" اور وہ
شمشان کی طرف چلا آگے وہ پیچھے پیچھے!

آئے۔ ایک پالکی بھی تھی اس میں ایک لونڈی بیٹھی تھی۔ نوکمار کو خبر دی گئی کہ بی بی نے بلایا ہے۔"

نوکمار موتی بی بی کے پاس گیا۔ دیکھا اب اس کے حسن میں اور بھی نکھار آگیا تھا اور ایک خاص شوخی نمایاں تھی۔ پہلے اس کے جسم پر زیورات کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ مگر اب بیش قیمت زیورات سے آراستہ تھی۔ اور اس پر مجسم خوبصورتی کا سایہ پڑ گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں گلہ پیشانی۔ کمر۔ سینہ۔ بازو غرضیکہ عضو عضو مرصع زیورات سے مزین ہو رہا تھا۔ سونا اس کے بدن کی رنگت کی گرمی سے تپ کر جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ وہ ایک ایسی خوبصورت مورتی کی طرح بن گئی تھی جس کے جسم پر خوبصورتی [illegible] پرچھائی ہوئی ہو۔ نوکمار کو دیکھ کر کہا "چلیے" آپ کی بیوی سے ملاقات کرا دوں۔"

نوکمار نے کہا "اس موقع پر اس قدر زیور پہننے کی کیا ضرورت تھی؟ میری بیوی کے بدن پر تو کوئی زیور نہیں ہے"

موتی "زیور دکھانے کے لیے نہیں پہنے جاتے ہیں۔ جب ہوتے ہیں تو عورتوں کے دکھانے [illegible]

اچھا۔ اب چلیے"

نوکمار موتی بی بی کو ساتھ لیکر چلا۔ جو لونڈی پالکی پر آئی تھی وہ بھی ساتھ تھی اس کا نام پیش نواز تھا۔

کپال کنڈلا گھر کی گیلی مٹی پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا گردن پر لٹیں چھٹکی ہوئی تھیں۔ موتی بی بی نے جب اسے دیکھا تو پہلے ہونٹوں میں مسکراہٹ سی نمودار ہوگئی۔ جب چراغ پاس لیجا کر دیکھا تب ہنسی دور ہوگئی۔ کپال کنڈلا کے حسن نے اس کی آنکھوں میں چکا چوند سی پیدا کر دی۔ حیرت زدہ رہ گئی۔ کپال کنڈلا کچھ ڈر سی گئی۔

کچھ دیر بعد موتی اپنے زیور اتارنے لگی اور ایک ایک کرکے کپال کنڈلا کو پہنانے لگی۔ نوکمار نے پوچھا "یہ کیا کر رہی ہو؟" اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔

زیور پہنانے کے بعد موتی نوکمار سے مخاطب ہوئی "آپ نے سچ کہا تھا ایسا پھول شاہی چمن میں بھی نہیں کھلتا۔ افسوس یہ ہے کہ میں گلشن حسن کے اس تازہ اور شگفتہ پھول کو دارالسلطنت میں لیجا کر نہیں دکھا سکتی۔ یہ زیور ایسے

بھکاری ڈرا مگر سنبھلکر بولا۔ "کیوں نہیں!"

کپال کُنڈلا نے تمام زیورات معہ ڈبہ کے اس کے حوالہ کردیئے جسم پر جو زیور تھا اُسے بھی اُتار کر دیدیا۔ بھکاری ایک لمحہ کیلئے خوش ہوگیا

لونڈی اور خدمتگار کچھ نہ سمجھے بھکاری صرف ایک ہی لمحہ کے لئے خوش ہوا تھا پھر زیور کا ڈبہ اُٹھا کر وہ بگٹٹ ایک طرف بھاگ نکلا۔ کپال کُنڈلا یہ نہ سمجھ سکی کہ یہ کیوں بھاگا ہے؟

پانچواں باب

وطن

نوکمار کپال کُنڈلا کو لیکر اپنے وطن آیا نوکمار کا باپ نہیں تھا۔ ماں بیوہ تھی دو بہنیں تھیں۔ ایک ان میں سے شوہر کے زندہ رہتے ہوئے بھی بیوہ تھی۔ سبب یہ تھا کہ وہ کسی کلین برہمن کی بیوی تھی اور صرف دو ایک مرتبہ اس کا ذکر آئے گا۔

فقیرنی کے ساتھ شادی کرنے سے گھر والے کس حد تک خوش ہوئے اس کا حال ہمیں کیا معلوم مگر اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ناراض نہیں ہوئے۔ سب نوکمار کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ یاتریوں نے مشہور کر دیا تھا کہ اس کو شیر کھا گیا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ شہیدے ان کے سامنے نوکمار کو پھاڑ ڈالا تھا

جب ... باتیں کرتے تو کہتے کہ "شیر آٹھ ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔" کوئی کہتا۔ "نہیں جی چودہ ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔" ایک یاتری نے کہا "میں بال بال بچ گیا شیر نے پہلے میرے ہی اوپر حملہ کیا تھا۔ نوکمار اس قدر ہمت والا نہیں تھا وہ بھاگ نہیں سکا۔"

یہ سب باتیں سُنکر ایک کہرام سا مچ گیا۔ ماں بہنیں رونے پیٹنے لگیں۔ اکلوتے بیٹے کی موت کیسی دُکھدائی ہوتی ہے یہ سب جانتے ہیں۔ ماں قریب المرگ ہو رہی تھی کہ نوکمار واپس آیا۔ اب کون پوچھتا کہ تمہاری بیوی کس قوم کی ہے۔ کس کی لڑکی ہے؟ سب خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ نوکمار کی ماں نے بہو کو عزت ... تھ پائی ... [illegible]

صورت میں اپنے آپ کو قائم رکھا جس وقت کا یہ حال لکھا جا رہا ہے سپت گرام اُس وقت تک صوبہ کا صدر مقام تھا اور اس میں فوجدار رہتا تھا۔ مگر اب شہر چھوٹے چھوٹے سات گاؤں میں منقسم اور منتشر ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ سپت گرام کہلاتا تھا۔

نوکمار کا گھر اسی شہر کے ایک اجڑے ہوئے چھوٹے سے گاؤں میں تھا۔ وہاں پردیسی آدمیوں کی آمد ورفت نہیں تھی شاہراہ بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں تھی۔ مرمت کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں تھا اُس کے گھر کے پیچھے ایک گھنا جنگل بھی تھا جس سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک ندی بہتی تھی۔

مکان اینٹوں کا بنا ہوا بالکل معمولی تھا۔ فرش بھی اتنا اونچا نہیں تھا اس زمانہ میں اتنے نیچے فرش بنانے کا رواج تھا۔

اس چھت کے اوپر دو نوجوان عورتیں کھڑی ہوئی چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ شام کا وقت تھا موسم بہار تھا پُرلطف خوشگوار تھا۔ ایک طرف خوشنما جنگل تھا جس میں ہزاروں شیریں نوا مگر خوبصورت پرند چہچہا رہے تھے دوسری طرف ایک چھوٹی سی نہر تھی جو دور سے روپہلی کے لمبے رشتے کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ تیسری طرف شہر کے بلند و بالا مکانات، ہاٹ، حویلیاں وغیرہ نظر آ رہی تھیں چوتھی طرف بھاگیرتھی ندی کی چھاتی پر کشتی جہاز آہستہ آہستہ پانی اچھالتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

دونوں عورتوں میں سے ایک گوری ماہ پارہ تھی جس کے لمبے لمبے گیسو بادل کی طرح گھرے ہوئے اُس کے چہرے کی چمک دمک چھپا رہے تھے۔ دوسری سانولی تھی۔ اس سانولی کا قد چھوٹا اور آنکھیں بھی چھوٹی تھیں نیلے کمل جیسے ہاتھ پاؤں آنکھیں چمکتی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی انگلیاں۔ گورے رنگ والی عورت کپال کنڈلا تھی اور سانولی اس کی نند شیاما سندری تھی۔

شیاما سندری اپنی بھاوج کو کبھی عزت کے ساتھ بہو اور کبھی محبت کے خیال سے بہن اور کبھی حسن کے خیال سے مرنالنی کہا کرتی تھی۔ کپال کنڈلا اچھا نام نہیں تھا۔ گرہستی اس نام کو پسند نہیں کرتے

نگاہ بندن کے گھر بنا لینے سے گلشن ہو گیا
بے دلی منظور ہم ہرگز نہ کرتے عمر بھر
کیا کہیں لیکن وہ دل سینے میں پرفن ہو گیا

مرن منی ” بہت اچھا میں نے پارس کو چھوا۔ سونا ہوئی۔ لٹ باندھے اچھے اچھے کپڑے پہنے جوڑے میں پھول لگا لیا گلے میں چندر ہار پہن لیا۔ کانوں میں کرن پھول لٹکا لئے۔ چندن۔ کنکما۔ مہاور۔ پان سے منہ لال کر لیا۔ سونے کی پتلی بن گئی۔ دل سے سمجھ لیا سب کچھ ہو گیا پھر اس سے سکھ کیا ملا ہے؟“

شیاما۔ ” اچھا بتاؤ پھول کو کھلنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟“

مرن منی ” اوروں کو دیکھنے سے سکھ ملتا ہے پھولوں کو کیا سکھ ہے؟“

شیاما سندری متعجب ہوئی ”پھول کو کیا سکھ ملتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتی میں پھول بنکر کھلی نہیں اگر تمہاری طرح کلی ہی ہوتی تو کھلے بغیر رہتی اور کیسی ہوتی“

مرن منی نہ سمجھ سکی تب شیاما نے پھر کہا ”یہ بھی نہ سہی مگر تم یہ بتاؤ تم کو سکھ کس بات میں ملتا ہے؟“

مرن منی سوچنے لگی۔ بولی ”ٹھیک نہیں کہہ سکتی۔ سمندر کے کنارے کنارے جنگل جنگل گھومتے میں مجھے سکھ ملتا ہے۔ یہ جانتی ہوں“

شیاما ڈر گئی مرن منی نے اس کی باتوں سے نہ ہمدردی ظاہر کی نہ احسان جتایا۔ وہ آزردہ دل ضرور ہوئی۔ مگر غصہ نہیں آیا۔ اس نے کہا ”کیا اب پھر واپس جانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے!“

مرن منی ” کوئی تدبیر نہیں ہے!“

شیاما۔ ” پھر کیا کرو گی؟“

مرن منی ” پجاری جی کہا کرتے تھے۔ جیسے ایشور کی مرضی ہو گی۔ ویسا ہو گا“

شیاما منہ پر رومال رکھکر ہنسنے لگی ” پجاری جی بھلا پیارے یہ کہاں سے ہیں؟“

مرن منی نے ایک گہری سانس کھینچی ”جو ایشور نے پیشانی پر لکھا ہے وہی ہو گا اور میں وہی کروں گی“

شیاما ” قسمت میں کیا لکھا ہے؟“

صفحہ ۳۹ سطر ۵ و سطر ۱۰ بنگالی نظم سلیس اردو زبان میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہندی میں ترجمہ ہو بھی سکتا ہے مگر نظم و شاعری کا ڈھنگ بنگالی شاعری کے طریقہ سے بالکل مختلف ہے اسلئے صرف نفس مضمون ذہن میں رکھکر خیالات کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ مترجم

بیاہ گیا۔ اس عرصہ میں لطف النسا بھی جوان
ہوگئی اُس نے آگرہ میں فارسی عربی رقص
سرود وغیرہ علوم میں مہارت حاصل کر
لی حُسن تو خداداد تھا مگر جس طرح اُسے
دیگر ظاہری علوم سکھائے گئے اس طرح دھرم
کی تعلیم نہیں دی گئی تھی۔ جوانی دیوانی ہوتی
ہے کس نے عالم شباب کے جذبات
قابو میں کیے ہیں۔ اس میں طاقت نہیں
تھی نفس پر غالب رہنا ہر شخص کا کام نہیں
ہے۔ دھرم اور ادھرم کا سمجھنا مشکل ہے
چنانچہ اس کی طبیعت مائل ہو جاتی تھی وہ
وہی کام کرنے لگ جاتی تھی جب نیکی
کی رغبت ہوتی نیکی اور جب بدی کا
خیال آتا تو بدی سے لطف اٹھاتی یہ شاذ
جوانی کی ترنگ میں جو جو عیب انسان
میں آجاتے ہیں اُن سے یہ بھی نہ بچی۔
چونکہ اس کا شوہر ابتک زندہ تھا اس
لیے کسی اور کو اس کے ساتھ شادی کرنے
کی خواہش نہ ہوتی تھی اور وہ بھی کچھ ایسی
شادی کی خواہشمند نہیں تھی وہ دل میں سمجھتی
تھی کہ تیتری کی طرح ایک پھول سے اُڑ
کر دوسرے کی خوشبو لینے میں زیادہ مزہ
ہے اس کا یہ ڈھنگ باپ کو پسند نہیں آیا

جب لوگوں میں تشبیہ ہونے لگی تو اُس نے
اُسے گھر سے نکال دیا۔

لطف النسا کے دامِ محبت میں جو لوگ
پھنسے ہوئے تھے اُن میں سے ایک شاہزادہ
سلیم بھی تھا۔

اب موقع بات آیا راجہ مان سنگھ کی
بہن شاہزادہ سلیم کو بیاہی ہوئی تھی۔
سلیم نے لطف النسا کو اس کی سہیلی بنایا
کہنے کے لیے تو وہ سکھی سہیلی تھی مگر اصل میں
اُس کی کچھ اور ہی تھی۔ لطف النسا خوب
جانتی تھی کہ میں ہوشیار اور موقع بین ہوں
کبھی وقت سلیم کی منظورِ نظر ہو جاؤں گی۔
یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

سلیم بھی اُسے پہلے بہت چاہتا تھا۔
لطف النسا کو اس کی بیگم بننے کا شوق پیدا
ہوا۔ اُس نے دل میں عہد کر لیا کہ میں اس
کی عزت کی مستحق ضرور ہوں گی۔ مگر درباری
ارکان اس بات کے برخلاف تھے۔

لطف النسا دن رات اسی فکر میں غلطاں و
پیچاں رہتی تھی نہ دن کو چین نہ رات کو نیند
آتی تھی۔ دن بھی دل میں اس کی یہ تمنا
رات دن مضبوط ہوتی جاتی تھی۔ اکبر کے
خزانچی خواجہ اعتماد الدولہ کی لڑکی مہرالنسا

آئے۔ ایک پالکی بھی تھی اس میں ایک لونڈی
بیٹھی تھی۔ نوکمار کو خبر دی گئی کہ بی بی نے
یاد کیا ہے۔"

نوکمار موتی بی بی کے پاس گیا۔ دیکھا
اب اُس کے حسن میں اور بھی نکھار آگیا تھا
اور ایک خاص شوخی نمایاں تھی۔ پہلے اس کے
جسم پر زیورات کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔
مگر اب وہ بیش قیمت زیورات سے آراستہ
تھی۔ اور اُس پر مجسم خوش نصیبی کا سایہ پڑ گیا
تھا۔ ہاتھ پاؤں گلا پیشانی۔ کمر۔ سینہ۔ بازو
غرضیکہ عضو عضو مرصع زیورات سے مرصع
ہو رہا تھا۔ سونا اس کے بدن کی رنگت کی
گرمی سے تپ کر جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ وہ
ایک ایسی خوبصورت عورت تھی کہ شاید ہی کوئی
جس کے جسم پر خوبصورت طلائی زیورات
پھبتے ہوں۔ نوکمار کو دیکھ کر کہا۔ "مہاشے
چاہئے آپ کی بیوی سے ذرا ملاقات کرادیں"

نوکمار نے کہا۔ "اس موقع پر اس قدر
زیور پہننے کی کیا ضرورت تھی؟ میری بیوی
کے بدن پر تو کوئی زیور نہیں ہے۔"

موتی۔ "زیور دکھانے کے لئے
ہی پہنتے ہیں۔ جب ہوتے ہیں تو عورتیں
کسی کو دکھائے بغیر خود تو کوئی نہیں رہتیں

اچھا۔ اب چلئے۔"

نوکمار موتی بی بی کو ساتھ لیکر چلا۔
جو لونڈی پالکی پر آئی تھی وہ بھی ساتھ تھی
اس کا نام پیش نواز تھا۔

کپال کنڈلا گھر کی گیلی مٹی پر اکیلی بیٹھی
ہوئی تھی۔ ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ گردن پر
لٹیں چھٹکی ہوئی تھیں۔ موتی بی بی نے
جب اُسے دیکھا تو پہلے پہل ہونٹوں پر مسکراہٹ
سی نمودار ہوگئی۔ جب چراغ پاس لیجا کر
دیکھا۔ تب ہنسی دور ہو گئی۔ کپال کنڈلا کے
حسن نے اس کی آنکھوں میں چکا چوند سی
پیدا کر دی۔ حیرت زدہ رہ گئی۔ کپال کنڈلا
کچھ ڈر سی گئی۔

کچھ دیر بعد موتی اپنے زیور اُتارنے
لگی۔ اور ایک ایک کر کے کپال کنڈلا کو پہنانے
لگی۔ نوکمار نے پوچھا۔ "یہ کیا کرتی ہو؟"
اُس نے کچھ جواب نہیں دیا۔

زیور پہنانے کے بعد موتی نوکمار
سے مخاطب ہوئی۔ "آپ نے سچ کہا تھا
ایسا پھول شاہی چمن میں بھی نہیں کھلتا۔
افسوس یہ ہے کہ ایسی گلشن حسن کے
اس نادر اور شگفتہ پھول کو دارالسلطنت
میں لیجا کر نہیں دکھا سکتی۔ یہ زیور اپنے

ہی سڈول جسم کے لئے موزوں ہے۔ اِس لئے اُن کو پہنادیا ہے تاکہ آپ اِسے پہنے ہوئے دیکھکر کبھی کبھی اِس غیر مُلک والی مُسلمانی کو یاد کرلیا کریں ۔"

نوکمار کو حیرت ہوئی۔ یہ کیسی بات ہے۔ میں یہ قیمتی زیورات نہیں لے سکتا۔"

موتی ۔"خدا کے دیئے ہوئے میرے پاس اور بھی بہت ہیں۔ میں بغیر زیور کے نہ رہوں گی ۔"

جب اِسے پہنا کر مجھکو خوشی ملتی ہے۔ تو آپ اِس خوشی سے مجھے کیوں محروم کرنا چاہتے ہیں ؟"

یہ کہکر موتی لونڈی کو ساتھ لئے ہوئے چلی گئی۔ لونڈی نے پُوچھا۔"بی بی جان! یہ مرد کون ہے ؟"

موتی نے جوابدیا۔"یہ میرا شوہر ہے۔"

چوتھا باب

پالکی کی سواری

موتی بی بی نے زیور رکھنے کے لئے چاندی سے منڈھا ہُوا خوبصورت ہاتھی کا ڈبہ بھیج دیا۔ ڈاکو صرف تھوڑا سا مال و اسباب لُوٹ کر لے گئے تھے۔ اِس کے سوا اور کسی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔"

نوکمار نے صرف ایک زیور کپال کنڈلا کے جسم پر رہنے دیا باقی ڈبے میں رکھدیا دُوسرے دن موتی بی بی بردوان کی طرف اور نوکمار سپت گرام کی جانب روانہ ہوئے۔

نوکمار نے کپال کنڈلا کو پالکی میں چڑھایا ڈبہ اُس کے پاس رکھدیا۔ کچھ دیر بعد نوکمار پالکی سے جُدا ہو گئے۔ کپال کنڈلا پالکی کا پٹ کھول کر دونوں طرف دیکھنے لگی ایک بھکاری بھیک مانگنے کے لئے پالکی کے پاس آیا۔ کپال کنڈلا نے کہا۔"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں تمہیں کیا دوں ؟"

بھکاری نے اِس کے زیور کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔"ماتا! تمہارے جسم پر ہیرا لگا ہے اور تم کہتی ہو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے!"

کپال کنڈلا نے پُوچھا۔"کیا یہ زیور پاکر تم خوش ہو جاؤ گے ؟"

بھکاری ڈرا مگر سنبھلکر بولا "کیوں نہیں!" کپال کُنڈلا نے تمام زیورات معہ ڈبّہ کے اِس کے حوالہ کر دیئے جسم پر جو زیور تھا۔ اُسے بھی اُتار کر دیدیا۔ بھکاری بھی ایک لمحہ کیلئے خوش ہوگیا

لونڈی اور خدمتگار کچھ نہ سمجھے۔ بھکاری صرف ایک ہی لمحہ کے لئے خوش ہوا تھا پھر زیور کا ڈبہ اُٹھا کر وہ بگٹٹ ایک طرف بھاگ نکلا۔ کپال کُنڈلا یہ نہ سمجھ سکی کہ یہ کیوں بھاگا ہے؟"

پانچواں باب

وطن

نوکمار کپال کُنڈلا کو لیکر اپنے وطن آیا نوکمار کا باپ نہیں تھا۔ ماں بیوہ تھی دو بہنیں تھیں۔ ایک اِن میں سے شوہر کے زندہ رہتے ہوئے بھی بیوہ تھی۔ سبب یہ تھا کہ وہ کسی کلین برہمن کی بیوی تھی اور صرف دو ایک مرتبہ اِس کا ذکر آئے گا۔

فقیرنی کے ساتھ شادی کرنے سے گھر والے کس حد تک خوش ہوئے۔ اِس کا حال ہمیں کیا معلوم مگر اِس قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ناراض نہیں ہوئے۔ سب نوکمار کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ یاتریوں نے مشہور کر دیا تھا کہ اِس کو شیر کھا گیا۔ اور اِس پر طرہ یہ کہ شیر نے اُن کے سامنے نوکمار کو چھپا تو [illegible] جب [illegible] باتیں کرتے تو کہتے کہ

شیر آٹھ ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا۔ "نہیں جی چودہ ہاتھ لمبا ہوتا ہے"۔ ایک یاتری نے کہا "میں بال بال بچ گیا۔ شیر نے پہلے میرے ہی اُوپر حملہ کیا تھا۔ نوکمار اِس قدر ہمت والا نہیں تھا۔ وہ بھاگ نہیں سکتا"۔

یہ سب باتیں سُنکر ایک کہرام سا مچ گیا۔ ماں بہنیں رونے پیٹنے لگیں۔ اکلوتے بیٹے کی موت کیسی دُکھدائی ہوتی ہے یہ سب جانتے ہیں۔ ماں قریب المرگ ہو رہی تھی۔ کہ نوکمار واپس آیا۔ اب کون پوچھتا کہ تمہاری بیوی کس قوم کی ہے۔ کس کی لڑکی ہے؟ سب خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ نوکمار کی ماں نے بہو کو عزت [illegible] پاتی [illegible]

جب نوکمار نے دیکھا کہ کپال کنڈلا
سے گھر کے تمام پرانی خوش ہیں تو وہ بھی بہت
خوش ہوا۔ وہ کپال کنڈلا پہ جان و دل
سے عاشق تھے۔ خوف تھا۔ کہ کوئی اس
کی بے عزتی نہ کرے اسی وجہ سے وہ پہلے
شادی کرانے پہ راضی نہیں ہوتا تھا۔
مگر اب وہ خوف بھی جاتا رہا۔ اور سب
کے سب خوش ہو گئے۔

محبت چھپانے سے نہیں چھپتی۔
آنکھوں سے طرزِ عمل سے بات چیت
سے اس کا اظہار ہو کر رہتا ہے وہ بھی
ان کی پریم کی دیوانی تھی۔ جب دو دل اس
طرح محبت کے رشتوں سے گتھ جائیں تو
پھر ان کے سکھ کا اندازہ کون لگا سکتا
ہے۔ تمام دنیا ان کی نظروں میں خوبصورت
دکھنے لگی۔ محبت موت کو زندگی بخش دیتی
ہے اندھے کی آنکھوں کو روشنی دیتی
ہے اور تاریکی کو نور سے بدل دیتی ہے۔"

اب کپال کنڈلا کا کیا حال ہے
اسے بھی سنتے چلیے۔

چھٹا باب

حیرانی

دنیا مانتی ہے کہ پہلے زمانہ میں سپت گرام نامی
گرامی شہر تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ
تجارت کی منڈی مشہور تھا۔ علاوہ
ہندوستان کے شہروں کے غیر ملک
جزیروں کے جہاز تک اسی غرض
سے آیا جایا کرتے تھے مگر گیارہویں صدی
میں کچھ ایسا انقلاب آیا کہ اس کی صورت
بدل گئی۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ
جو ندی سپت گرام کے آس پاس بہتی
تھی وہ رفتہ رفتہ ریت سے بھر گئی۔
اور جہازوں کی آمد و رفت بند ہو گئی۔
بنج بیوپار جاتا رہا۔ تجارت گھٹ گئی۔
اور اس کے ساتھ شہر کی رونق بہت
کچھ جاتی رہی۔ بنگالی گیارہویں صدی
میں جب انگریزوں کی تجارت کا سلسلہ
شروع ہوا ہگلی کی ترقی ہونے لگی اور بھی اس
کو پامال کر دیا۔ تاہم اس نے کسی قدر اور

صورت میں اپنے آپ کو قائم رکھنا جس وقت کا یہ حال لکھا جا رہا ہے سپت گرام اُس وقت تک صوبہ کا صدر مقام تھا اور اس میں فوجدار رہتا تھا۔ مگر فی الحال شہر چھوٹے چھوٹے سات گاؤں میں منقسم اور منتشر ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ سپت گرام کہلاتا تھا۔

نوکمار کا گھر اسی شہر کے ایک اجڑے ہوئے چھوٹے سے گاؤں میں تھا۔ وہاں پردیسی آدمیوں کی آمد و رفت نہیں تھی شاہراہ بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں تھی۔ مرمت کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں تھا اُس مکان کے پیچھے ایک گھنا جنگل بھی تھا جس سے کچھ ہی فاصلہ پہ ایک ندی بہتی تھی۔

مکان اینٹوں کا بنا ہوا بالکل معمولی تھا۔ فرش بھی اتنا اونچا نہیں تھا اس زمانہ میں اونچے فرش بنانے کا رواج تھا۔

اس چھت کے اوپر دو نوجوان عورتیں کھڑی ہوئی چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ شام کا وقت تھا موسم بہت پر لطف خوشگوار تھا۔ ایک طرف خوشنما جنگل تھا جس میں ہزاروں شیریں نوا مگر خوبصورت پرند چہچہا رہے تھے دوسری طرف ایک چھوٹی نہر تھی جو دور سے روپہلی لمبے رشتے کی طرح دکھائی دیتی تھی تیسری طرف شہر کے بلند و بالا مکانات، ہاٹ، حویلیاں وغیرہ نظر آ رہی تھیں چوتھی طرف بھاگیرتھی ندی کی چھاتی پر کئی جہاز آہستہ آہستہ پانی اچھالتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

دونوں عورتوں میں سے ایک گوری ماہ پارہ تھی جس کے لمبے لمبے گیسو بادل کی طرح گھیرے ہوئے اُس کے چہرے کی چمک دمک چھپا رہے تھے۔ دوسری بھی سانولی تھی۔ اس سانولی کا قد چھوٹا اور آنکھیں بھی چھوٹی تھیں نیلے کمل جیسے ہاتھ پاؤں آنکھیں چمکتی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی انگلیاں۔ گورے رنگ والی عورت کپال کنڈلا تھی اور سانولی اس کی نند شیاما سندری تھی۔

شیاما سندری اپنی بھاوج کو کبھی عزت کے ساتھ بہو اور کبھی محبت کے خیال سے بہن اور کبھی حسن کے خیال سے مرنالنی کہا کرتی تھی۔ کپال کنڈلا اچھا نام نہیں تھا۔ گرہستی اس نام کو پسند نہیں کرتے

اس لئے اور لوگ اس کو مرن مئی کہا کرتے تھے اور ہم بھی اسے اب مرن مئی ہی کہیں گے۔

شیاما سُندری خوشی کی ترنگ میں آکر گانے لگی۔"

رات آئی آسماں پر چاند روشن ہوگیا
شب کدہ میں نور کا کیا نشیمن ہوگیا
تک رہا ہے دیدۂ اختر سے جھک کر آسماں
اُس کا چہرہ سینکڑوں آنکھوں کا مخزن ہوگیا
چھوٹتا ہے گھوم پھر کر دل کا سب صبر و قرار
جسم ظالم ہر طرح سفاک و رہزن ہوگیا
تم چھپے پہلو میں نہ تھے تو مر گئے جذبات دل
جسم خالی ہے ارمانوں کا مدفن ہوگیا

شیاما:- دکھانا بند کرکے کہا تو تپستونی بھی اچھی رہے گی؟"

مرن مئی:- "میں کون سی تپسیا کرتی ہوں؟"

شیاما سُندری نے دونوں ہاتھ سے اس کے بکھرے ہوئے گیسوؤں کو پکڑ کر کہا کیا تو جوڑا کبھی نہ باندھے گی؟"

مرن مئی ہنسی اور آہستگی سے اپنے لمبے لمبے بال اس کے ہاتھوں سے چھوڑا لئے۔

شیاما:- "اچھا ایک مرتبہ میری خواہش پوری کر دو۔ ایک مرتبہ گرہستنی عورتوں کی سنگار کر دو۔ یوگنی نہ بنی رہو۔"

مرن مئی:- "جب تک اس برہمن کو نہیں دیکھا تھا تب تک یوگنی ہی تھی۔"

شیاما:- "اب نہ رہ سکو گی۔"

مرن مئی:- "کیوں؟"

شیاما:- "دیکھو گی یوگ بھنگ کر دوں گی۔ جانتی ہو پارس پتھر کسے کہتے ہیں؟"

مرن مئی:- "نہیں۔"

شیاما:- "جس پتھر سے چھو جانے پر لوہا سونا ہو جاتا ہے وہ پارس پتھر کہلاتا ہے۔"

مرن مئی:- "اس سے کیا ہوا؟"

شیاما:- "عورتوں کے لئے پارس پتھر ہے۔"

مرن مئی:- "کون؟"

شیاما:- "پُرش۔ مرد کی ہوا لگنے سے یوگنی گرہستنی ہو جاتی ہے۔ تو نے پتھر کو چھوا ہے آگے جان پڑے گا۔"

اور وہ پھر گانے لگی۔

چھُٹی قالب میں دل اپنا تھا بشکل طلاء
آتش الفت کی گرمی پا کے کندن ہوگیا
[illegible] پہلے میرا دل بے طرح ویران تھا

گلبدن کے گھر بنا لینے سے گلشن ہو گیا
بے ولی منظور ہم ہرگز نہ کرتے عمر بھر
کیا کہیں لیکن وہ دل اپنے میں پُرفن ہو گیا

ہرن منی نے "بہت اچھا۔ میں نے پارس کو چھوا۔ سونا ہو گئی۔ لٹ باندھے اچھے اچھے کپڑے پہنے جوڑے میں پھول لگا لیا گلے میں چندر ہار پہن لیا۔ کانوں میں کرن پھول لٹکا لئے۔ چندن۔ کنکما۔ مہاور۔ پان سے منہ لال کر لیا۔ سونے کی پتلی بن گئی۔ دل سے سمجھ لیا۔ سب کچھ ہو گیا پھر اس سے سکھ کیا ملا؟"

شیاما۔ "اچھا بتاؤ پھول کو کھلنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟"

ہرن منی نے "اوروں کو دیکھنے سے سکھ ملتا ہے پھولوں کو کیا سکھ ہے؟"

شیاما سندری متعجب ہوئی "پھول کو کیا سکھ ملتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتی میں پھول بن کر کھلی نہیں اگر تمہاری طرح کلی ہی چھپی رہتی تو کھلنے بغیر رہتی اور کبھی نہ کھلتی"

ہرن منی نہ سمجھ سکی تب شیاما نے پھر کہا "یہ بھی نہ سہی مگر تم یہ بتاؤ تم کو سکھ کس بات میں ملتا ہے؟"

ہرن منی سوچنے لگی۔ بولی "ٹھیک نہیں کہہ سکتی۔ سمندر کے کنارے جنگل جنگل گھومتے میں مجھے سکھ ملتا ہے۔ یہ جانتی ہوں"

شیاما ڈر گئی۔ ہرن منی نے اس کی باتوں سے نہ ہمدردی ظاہر کی نہ احسان جتایا۔ وہ آزردہ دل ضرور ہوئی۔ مگر غصہ نہیں آیا۔ اس نے کہا "کیا اب پھر واپس جانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے!"

ہرن منی۔ "کوئی تدبیر نہیں ہے!"

شیاما۔ "پھر کیا کرو گی؟"

ہرن منی۔ "پجاری جی کہا کرتے تھے جیسی ایشور کی مرضی ہو گی ویسا ہو گا۔"

شیاما منہ پر رومال رکھ کر ہنسنے لگی "پجاری جی بھٹا چاریہ مہاشے ہیں نا؟"

ہرن منی نے ایک گہری سانس کھینچی "جو ایشور نے پیشانی پر لکھا ہے وہی ہوگا اور میں وہی کروں گی۔"

شیاما۔ "قسمت میں کیا لکھا ہے؟"

صفحہ ۹۵ سو سنت و سنت بنگالی نظم [illegible]

مرن مئی رُستنو میں دیوی بھگتی کے چرن پر بیل پتر رکھنے کا کام کرتی تھی۔ اگر کام سپھل ہونے کو ہوتا تو بیل پتر گر جاتا تھا۔ ایسے وقت رائے اور صلاح لینے کے لئے میں دیوی کے پاس جایا کرتی تھی۔

جب یہاں آنیکو ہوئی۔ مائی بھگوتی کو بیل پتر چڑھانے گئی۔ مائی نے بیل پتر قبول نہیں کیا میں نہیں جانتی۔ کیا بدا ہوا ہے؟"

مرن مئی یہ کہکر چپ ہو گئی۔ شیاما اُداس ہوکر اُٹھ بیٹھی ۔۔

تیسرا حصہ

پہلا باب

پہلی سرگذشت

جب نوکمار کپال کنڈلا کو ساتھ لیکر سرائے سے چلا گیا۔ اُسی وقت موتی بی بی بھی دوسرے راستہ سے بردوان چلی گئی۔ راستے میں اس کا جو حال ہوا سے سنئیے۔ موتی میں بھلائیاں اور برائیاں دونوں ہی تھیں ۔۔

جب اُس کے باپ نے مسلمانی مذہب اختیار کیا اُس کا نام لطف النسا رکھا۔ اصل میں اُس کا نام موتی ہی تھا۔ سیر و سیاحت میں اُس نے یونہی اپنا نام موتی رکھ لیا تھا۔ اُس کا باپ گرستہ ہوکر میں آکر سرکاری کام پر مامور تھا۔ جہاں ہر قسم اور ہر قوم کے لوگ رہتے تھے۔ ہر شخص کی طبیعت جماعت پسند اور مجلس پسند واقع نہیں ہوتی۔ کچھ عرصہ تک تو وہ وہاں صوبدار کے پاس رہا۔ پھر خط و کتابت کرکے اپنے کنبہ کے ساتھ آگرہ چلا آیا۔ آگرہ کے تخت شاہی پر اُس وقت اکبر متمکن تھا۔ وہ جنس حسن کا ایک قدردان جوہری تھا۔ اُس کی نگاہ اُس پر پڑی اور لطف النسا کا باپ خاص امراؤں کے زمرہ میں شامل کر

لیا گیا۔ اس عرصہ میں لطف النسا بھی جوان
ہو گئی۔ اس نے آگرہ میں فارسی عربی رقص
سرود وغیرہ علوم میں مہارت حاصل کر
لی۔ حسن تو خداداد تھا مگر جس طرح اسے
دیگر ظاہری علوم سکھائے گئے اس طرح دھرم
کی تعلیم نہیں دی گئی تھی۔ جوانی دیوانی ہوتی
ہے کس نے عالم شباب کے جذبات
قابو میں کئے ہیں۔ اس میں بڑا فرق نہیں
تھی نفس پرستی غالب رہنا ہر شخص کا کام نہیں
ہے۔ دھرم اور ادھرم کا سمجھنا مشکل تھا
جدھر اس کی طبیعت مائل ہو جاتی تھی وہ
وہی کام کرنے لگ جاتی تھی جب نیکی
کی رغبت ہوتی تو نیکی اور جب بدی کا
خیال آتا تو بدی سے تعلق رکھتی۔ مستانی
جوانی کی ترنگ میں جو جو عیب انسان
میں آجاتے ہیں ان سے یہ بھی نہ بچی۔
چونکہ اس کا شوہر اب تک زندہ تھا اس
لئے کسی اور کو اس کے ساتھ شادی کرنے
کی خواہش نہ ہوتی تھی اور وہ بھی کچھ اتنی
شادی کی خواہشمند نہیں تھی وہ دل میں سوچتی
تھی کہ تیتری کی طرح ایک پھول سے اڑ کر
دوسرے کی خوشبو لینے میں زیادہ مزہ
ہے اس کا یہ ڈھنگ باپ کو پسند نہیں آیا

جب لوگوں میں تشبیہ ہونے لگی تو اس نے
اسے گھر سے نکال دیا۔

لطف النسا کے دام محبت میں جو لوگ
پھنسے ہوئے تھے ان میں سے ایک شاہزادہ
سلیم بھی تھا۔

اب موقع بات آیا راجہ مان سنگھ کی
بہن شاہزادہ سلیم کو بیاہی ہوئی تھی۔
سلیم نے لطف النسا کو اس کی سہیلی بنایا
کہنے کے لئے تو وہ سہیلی تھی مگر اصل میں
اس کی کچھ اور ہی تھی۔ لطف النسا خوب
جانتی تھی کہ میں ہوشیار اور موقع میں ہوں
کبھی وقت سلیم کی منظور نظر ہو جاؤں گی۔
یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

سلیم بھی اسے پہلے سے چاہتا تھا۔
لطف النسا کو اس کی بیگم بننے کا شوق پیدا
ہوا۔ اس نے دل میں عہد کر لیا کہ میں اس
کی عزت کی مستحق ضرور ہوں گی۔ مگر دنیاوی
اراکین اس بات کے برخلاف تھے۔
لطف النسا دن رات اسی فکر میں غلطاں و
پیچاں رہتی تھی نہ دن کو چین نہ رات کو نیند
آتی تھی۔ دل ہی دل میں اس کی یہ تمنا
رات دن مضبوط ہوتی جاتی تھی۔ اکبر کے
خسر یعنی خواجہ افضل الدین کی لڑکی مہرالنسا

بھی بہت حسین تھی۔ ایک دن خواجہ نے سلیم کی دعوت کی۔ اپنے گھر بلایا مہرالنسا اور سلیم کی دونوں آنکھیں چار ہوئیں اس کے بعد کیا ہوا۔ وہ تواریخ جاننے والوں سے مخفی نہیں ہے اس زمانہ میں شیر افگن نامی ایک پٹھان امرا نامی خزانچی کی لڑکی سے پہلے ہی اس کی نسبت ہو چکی تھی۔ مگر سلیم مہرالنسا کے عشق میں اندھا اور ازخود رفتہ ہو رہا تھا۔ اکبر سے اس کی شادی کی درخواست کی مگر اکبر انصاف پسند تھا اُسے یہ حرکت پسند نہیں آئی۔ لیکن جب لطف النسا نے دیکھا کہ سلیم کی نظر مہرالنسا پر ہے اُس کے دل میں ایک ناقابل برداشت چوٹ لگی۔ وہ مایوس ہو گئی۔ عموماً چوٹ کھایا ہوا دل چارہ سازی کے لئے بیتاب ہو کر کسی دوسرے کو اپنا ہمراز بناتا ہے۔ لطف النسا بھی کسی دوسرے کو ڈھونڈنے لگی۔ آخر اُس نے خسروؔ[1] کی ماں سے اپنا حال کہا۔ اُس نے جواب دیا "بادشاہ کی بیگم بننا نیک بڑی عزت و افتخار کی بات ہے مگر بادشاہ

کی ماں ہونا اور بھی زیادہ ہی بات ہے۔" لطف النسا نے کہا "یہ کیا مشکل ہے آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے" بیگم نے کہا "کیسے؟" عقیلہ لطف النسا نے جواب دیا سلیم کے لڑکے خسروؔ کو تخت کا قابل بنا یئے۔ بیگم نے جواب نہیں دیا۔ پھر اس معاملے میں بات چیت کا موقع بات نہیں آیا۔ مگر دل ہی دل میں یہ خیال پختہ ہوتا گیا۔ باپ کی بجائے باپ تخت پر بیٹھے یہ مناسب نہیں ہے مگر بیگم مہرالنسا سے دل میں کھٹکتی تھی لطف النسا کو بھی حسد تھا حکمت عملی کی چالیں چلی گئیں مہرالنسا کی شادی شیر افگن کے ساتھ کر دی گئی اور سلیم بے اختیار ہو گیا اکبر کے مرتے ہی شیر افگن بھی مارا گیا مہرالنسا سلیم کی بیگم ہو گئی اب تو لطف النسا کی آرزوؤں اور اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو گئی ✽

اکبر دُنیا میں نہایت شاندار بادشاہ گذرا ہے۔ ہمیشہ فتح کرتا رہا۔ افغانستان سے ترکستان کی سرحد تک اس کی حکومت تھی

---

[1] یہی خسرو جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہاں کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھا اسی نے آگرہ کا تاج محل اعتماد الدولہ دہلی کا قلعہ جامع مسجد اور شاہجہاں آباد کی تعمیر کرائی تھی۔

اس وقت مہرالنسا نے اپنی عظمت کا سکہ
بٹھانے کا مضبوط ارادہ کیا۔

مان سنگھ کی بہن سلیم کی خاص بیگم تھی
خسرو اس کا لڑکا تھا۔ ایک دن بیماری کی حالت
میں اکبر کے ساتھ کچھ بات چیت ہوئی۔

کیسے ممکن تھا کہ مان سنگھ کی بہن
ایک معمولی مسلمانی عورت کے تابع رہے
لطف النسا بھی اس خیال میں شریک
تھی اور اس کی شرکت غرض سے خالی
نہیں تھی، وہ جانتی تھی کہ مغلوں کی سلطنت
کی بنیاد راجپوتوں کی قوت بازو پر قائم ہے
مان سنگھ راجپوتوں کا سردار خسرو کا ماما
ہے اُس کے سوا خان اعظم اکبر کا وزیر
خسرو کا سُسر ہے کیا یہ دونوں شخص مل ملا
کر سلیم پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتے تھے اگر یہ
نہ چاہتے تو سلیم کبھی تخت پر نہیں بیٹھ سکتا
لطف النسا نے بیگم سے کہا "مان سنگھ کو
اپنا ہمراز بنالو خان اعظم اور دوسرے اُمرا
کو شریک کرلو میں اُن کو اپنے زیر اثر لاؤنگی
اور کیا عجب خسرو تخت پر بیٹھ کر اس
بدذات عورت مہرالنسا کو شہر بدر بلکہ خارج
الوطن کردے"

بیگم لطف النسا کی بات سمجھ گئی مگر
ہنسکر بولی تم آگرہ میں جس امیر کو پسند کرو اُس کے
ساتھ تمہاری شادی کرادی جائے اور
میں اُس کو پنجہزاری کا منصب دلادونگی۔
لطف النسا راضی ہوگئی یہی اُس کی
غرض تھی۔ اگر دارالسلطنت میں وہ اور
عورتوں کی طرح کسی کی دست نگر رہی۔ تو
پھر سکھ اور آرام کیا ملیگا؟ اگر کسی منصبدار
کی بیوی ہوگئی تب بھی کچھ فخر کی بات ہے
لطف النسا صرف اسی غرض سے بیگم
کی ہمراز نہیں بنی تھی سلیم اس کو چھوڑ کر
مہرالنسا کے پیچھے پڑگیا تھا اور وہ اس
سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔

خان اعظم وغیرہ آگرہ اور دہلی کے اُمرا
لطف النسا کے حمایتی تھے۔ خان اعظم
ضرور داماد کی حمایت کریگا اس میں ذرا
بھی شک نہیں تھا۔

خان اعظم نے لطف النسا سے کہا۔
"اچھا! لیکن اگر تدبیر سے کام نہ نکلا۔ تو پھر
تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہیگی۔
اس لئے ایک راہ اختیار کرنی ہوگی۔"

لطف النسا نے کہا "آپکی کیا رائے ہے؟"

خان اعظم نے جواب دیا "اڑیسہ کے سوا
اور کہیں کسی پر نظر نہیں جاتی۔ اس کا اور

اس کی فوج کا ہمارے ہات میں رہنا ضروری
ہے تمہارا بھائی اڑیسہ کا منصبدار ہے۔
میں مشہور کردونگا کہ وہ لڑائی میں زخمی ہوگیا۔
تم اس کے دیکھنے کے بہانے اڑیسہ چلی
جاؤ اور چالاکی سے کام کرکے واپس آجاؤ۔
لطف النسا اس پر راضی ہوگئی
وہ اڑیسہ سے واپس آرہی تھی۔ جب
نوکمار سے اس کی ملاقات ہوئی تو

دوسرا باب

راہ کے حالات

جس دن موتی بی بی یا لطف النسا
نوکمار سے رخصت ہوکر بردوان کی طرف
چلی اس دن وہ وہاں نہ پہنچ سکی۔ دوسری
سرائے میں ٹھیری اس نے شام کیوقت
اپنی باندی پیشوان (پیش نواز) سے پوچھا۔
"پیش نواز! میرا شوہر کیسا ہے؟" "تم
نے دیکھا کہ نہیں؟"
پیش نواز۔ "کیا میں پھر دیکھونگی؟"
موتی۔ "کیا اس لیے کہ وہ خوبصورت ہے؟"
پیش نواز نوکمار کو دیکھکر خوش نہیں
ہوئی تھی۔ موتی نے جو زیور کپال کنڈلا کو
دیئے تھے ان پر اس کی نظر تھی۔ وہ اس امید
میں تھی۔ کہ کسی دن مانگ لونگی وہ امید
بھی جاتی رہی اس وجہ سے نوکمار اور کپال کنڈلا
دونوں خار دلانے کی طرح اس کی نظروں
میں کھٹکنے لگے پیش نواز نے حقارت آمیز
لہجہ میں کہا: "کیسے خوبصورتی؟ وہ کنگال اور
بھکاری برہمن ہے!!"
موتی اس کی دل کی بات سمجھ گئی۔
"اگر کنگال اور بھکاری برہمن امرا ہوجاتے
تب وہ خوبصورت کہلائیگا یا نہیں؟"
پیش نواز۔ "وہ کون ہے؟"
موتی۔ "کیوں کیا تو نہیں جانتی کہ
بیگم نے قول دیا ہے کہ جب خسرو بادشاہ
ہوگا میرا شوہر منصبہ امرا بنایا جائیگا۔"
پیش نواز۔ "یہ جانتی ہوں مگر وہ
کسی وقت تمہارا شوہر ہوگا۔ اب تو
نہیں ہے۔"
موتی۔ "پھر میرا شوہر کون ہے؟"
پیش نواز۔ "کوئی نیا امرا!"

موتی "سنی مجھ جیسی کیلئے دو شوہر یہ
بے انصافی ہے۔ وہ دیکھو۔ کون جا
رہا ہے؟"

جس کو دیکھکر موتی نے یہ سوال کیا تھا
پیش نواز نے اُسے پہچان لیا۔ وہ خانِ اعظم
کا آدمی تھا دونوں متحیر تھے پیش نواز نے
آواز دی آتے ہی اُس نے لطف النسا کو
سلام کر کے ایک خط اُس کے ہات میں دیکے
کہا "یہ خط لیکر میں اڑیسہ جا رہا تھا۔ بڑا
ضروری خط ہے۔"

لطف النسا نے خط پڑھا دریائے
حسرت و یاس میں غوطے کھانے لگی اُمیدوں
کا خون ہو گیا خط کا مضمون یہ تھا۔

"ہماری محنت اکارت گئی بادشاہ اکبر
نے مرتے وقت اپنی حکمت عملی سے ہماری
تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ شاہی تخت
پر وہ سلیم کو بٹھا گیا اور سلیم نے اپنا نام تبدیل
کر کے جہانگیر رکھ لیا۔ اب خسرو کے لئے کسی
قسم کی محنت نہ کرو تا کہ موقع پر کوئی تمہاری
برائی نہ کر سکے ایسی کوشش کرو کہ جلد آگرہ
آجاؤ۔"

اکبر نے جس طرح اس موقع پر داؤں
گھات کھیلے ہیں وہ تواریخ میں مذکور ہیں۔

یہاں دوبارہ اس بات کے اعادہ کی ضرورت
نہیں انعام دے کر موتی بی بی نے قاصد کو
رخصت کیا۔ پیش نواز نے پوچھا۔ "اب کیا
تدبیر ہے؟"

موتی "اب کوئی تدبیر نہیں ہے"

پیش نواز (کچھ سوچکر) "اچھا کیا
مضائقہ ہے جس طرح پہلے تھیں اب بھی
اُسی طرح رہو گی۔ بادشاہ کی مدخولہ بیگم بھی
دوسرے راجہ کی رانیوں سے زیادہ
ذی حشمت اور ممتاز سمجھی جاتی ہے۔"

موتی۔ (ہنسکر) "اب ایسا نہ ہوگا۔
اب میں دار السلطنت کو نہ جاؤں گی۔
جہانگیر فوراً ہی مہر النسا سے شادی کر
لیگا اور اس کا زور بڑھ جائیگا۔ بادشاہ
نام کے لئے رہ جائیگا میں ہمیشہ سے مہر النسا
کی مخالفت کر رہی ہوں وہ جان جائیگی
اور میں آ جاؤنگی مصیبت ہوگی۔"

پیش نواز نے منہ بنا کر کہا۔ "پھر
کیا کیا جائے؟"

موتی "صرف ایک سہارہ
ہے مہر النسا کا دل جہانگیر کی طرف کس طرح
ہے اگر مہر النسا اپنے شوہر شیر افگن خان
کو پیار کرتی ہے تو جہانگیر اس تک نہیں پہنچ سکتا

اور اگر مہر النسا کو جہانگیر کو چاہتی ہے تو پھر کیا اُمید کی جاسکتی ہے؟"

پیش نواز۔ "اس کا اندازہ تم کیونکر لگا سکتی ہو؟"

موتی ہنسی۔ "لطف النسا کے لیے یہ کونسی بات مُشکل ہے۔ مہر النسا میرے ساتھ کھیلی ہوئی سہیلی ہے کل بردوان جاکر میں اسی کے یہاں ٹھیرونگی۔"

پیش نواز۔ "اگر مہر النسا بادشاہ کو نہیں چاہتی تو تم کیا کروگی؟"

موتی۔ "باپ جان کہا کرتے ہیں جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔"

دونوں کچھ دیر تک خاموش رہیں یکایک موتی کے لبوں پر ایک دلآویز تبسم کی جھلک نمودار ہوئی پیش نواز نے متحیر آنہ انداز سے پوچھا۔ "ہنستی کیوں ہو؟"

موتی۔ "ایک نئی تدبیر سوجھی ہے۔"

پیش نواز۔ "وہ کیا؟"

موتی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے خاموشی میں ہی مصلحت سمجھی۔ اسکا حال پھر بتایا جائیگا۔

تیسرا باب

حریف کے گھر میں

اس وقت شیر افگن خاں بنگال کا صوبہ دار تھا۔ موتی بی بی بردوان میں اُس کے گھر پہنچی۔ شیر افگن خاں نہایت تواضع تکریم سے پیش آیا اور اپنے ہی مکان میں ٹھیرایا۔ جب شیر افگن خاں اپنی بیوی مہر النسا کے ساتھ آگرہ میں رہتا تھا اُس وقت سے وہ موتی سے واقف تھا۔ مہر النسا ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ بادشاہ کی محبت کی وجہ سے وہ دونوں آپس میں ایک دوسری کی سوت کہیں جاسکتی ہیں۔ مہر النسا اپنے دل ہی دل میں یہ سوچتی تھی۔ "کون جانے؟ ہندوستان کی بیگم اور ملکہ ہونے کا افتخار کس خوش نصیب نازنین کے حصے میں آئیگا۔ اس کی خبر یا تو خدا کو ہے یا سلیم کو! اور اگر ان کے سوا اور کسی کو خبر ہے تو شاید لطف النسا ہی کو

ہوگی۔ دیکھئے یہ کیا کہتی ہے؟" ادھر موتی بی بی بھی اُس کے دل کا حال جاننے کی بہت خواہشمند تھی۔"

مہرالنسا اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ سلیقہ شعار اور حسین عورت مشہور تھی۔ کون جانے وہ دُنیا میں بھی فرد رہی ہو۔ خوبصورتی کے باب میں تمام حسین عورتوں سے اہل قلم مورخوں نے اس کے حُسن کا گیت گایا ہے اور اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے وہ علم و فن میں بھی لاثانی تھی۔ رقص سرود میں بے مثال تھی۔ فن شاعری کی دسترس اور کمال مصوری سے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ لوگ فریفتہ ہو جاتے تھے۔ اُس کی دلآویز اور دلفریب مگر میٹھی میٹھی باتیں اُس کے حُسن سے بھی کہیں زیادہ پُراثر و دلکش تھیں۔ علیٰ ہذا القیاس موتی بھی کچھ کم نہ تھی۔ آج یہ دونو ایکدوسری کے خیالات بھانپنے کی کوشش میں سرگرم تھیں۔"

مہرالنسا اپنے خاص کمرے میں بیٹھی تصویر بنا رہی تھی موتی پیچھے بیٹھی ہوئی تصویر کی رنگینیاں غور سے دیکھ رہی تھی اور پان کھاتی جاتی تھی۔

مہرالنسا نے پوچھا "یہ تصویر کیسی ہے؟"

موتی۔ "تمہاری بنائی ہوئی تصویریں جیسی دلفریب اور دلکش ہوتی ہیں ویسی ہی یہ بھی ہیں۔ تمہارے سوا ایسی اچھی تصویریں کون بنا سکتا ہے۔ مصور تمہاری گلکاری دیکھکر شرماتے ہیں۔"

مہرالنسا۔ "اگر یہی بات ہوتی تو پھر مجھے دُکھ کیوں ہوتا؟"

موتی۔ "فن مصوری میں اگر کسی کو اس طرح کمال حاصل ہوتا تو بلاشبہ تمہارا سینہ ہی اس کی مصوری کا شاندار معراج ہوتا۔"

مہرالنسا۔ "اس سینہ کا معراج قبر کی مٹی میں رہے گا۔"

موتی۔ "نہیں آج خلاف معمول مزاج اس قدر سست کیوں ہے اور چہرے پر پژمردگی کے آثار کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

مہرالنسا۔ "سست اور پژمردہ خاطر تو نہیں ہوں۔ آہ! کل تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤگی۔ اُس وقت بیشک طبیعت بہت گھبرائے گی اور رنج و ملال ہوگا دو چار دن اور ٹھیر جاؤ۔"

موتی۔ "سکھ کون نہیں چاہتا اگر میرا بس چلتا تو میں کیوں جاتی۔ میں دوسرے کے

کے لئے یہ الفاظ زبان سے نکالے ہیں تم جانتی ہو کہ میں شیر افگن کی بیوی ہوں ان کی کنیز ہوں پھر ایسی بات کبھی منہ سے نہ نکالنا

موتی شرمائی۔ مگر جھجکی نہیں وہ موقع کی تلاش میں تھی بولی "میں جانتی ہوں۔ کہ بادشاہ تمہاری ایک ایک ادا پر لٹو ہو رہا ہے۔ اور وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا کیا تم نے نہیں سنا" شاعر تمہاری تعریف میں کہتے ہیں "نورجہاں گرچہ بظاہر زن است در صف مرداں زن شیر افگن است" تم بڑی دور اندیش ہو۔ شاعر ہو عالم ہو فاضلہ ہو شعر و سخن میں نورجہاں تخلص کرتی ہو میں کہے دیتی ہوں کہ جہانگیر تم کو نورجہاں بنا کر نہ چھوڑے گا۔"

مہر النساء "تمہاری بات میری سمجھ میں آئی۔ پھر خوف کیا ہے؟"

موتی "میں کیا کہوں؟" مہر النسا نے سوچ کر کہا مجھے بیوہ ہونے کا خوف ہے شیر افگن دلیر اور جانباز ہے وہ لڑنے سے باز نہ آئیگا۔ پھر اگر شکست ہو گیا تب بھی وہ دوسرے کی جورو کو کسی اور کی جورو بنا دیگا۔"

موتی "سچ ہے مگر شاید تم کو آگرہ کی خبر نہیں ملی اکبر مر گیا سلیم تخت پر بیٹھا ہے اُسے روک کون سکتا ہے؟"

مہر النسا کانپ اٹھی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے۔

موتی "روتی کیوں ہو؟"

مہر النساء "سلیم دہلی کے تخت پر بیٹھا اور میں کہاں ہوں؟"

موتی کی مراد بر آئی وہ اس کے دل کا حال جان گئی۔ بولی "اب تک تم بھی سلیم کو نہیں بھولی ہو؟" مہر النسا کا دل بھر آیا۔ مایوسانہ انداز سے بولی "اپنے کو بھول سکتی ہوں مگر سلیم کو کیسے بھولوں! سنو بہن! دل کا دروازہ تم نے یکبارگی کھلا ہوا دیکھ لیا۔ تم کو قسم ہے یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔"

موتی "ایسا ہی ہوگا لیکن یہ بتاؤ جب میں آگرہ پہنچونگی تو سلیم ضرور سوال کریگا کہ تم مہر النسا سے ملی تھیں اور اس نے کیا کہا؟ اس وقت میں کیا جواب دوں گی؟"

مہر النساء۔ (سوچکر) یہ کہہ دینا کہ مہر النسا تم کو نہیں بھولی وہ ہر وقت دل ہی دل میں یاد کرتی رہتی ہے جان جائے تو جائے پیا ناں کی یاد نہیں جا سکتی۔

دل بیدل ہو تو ہو۔ دلدار کا تصور اُس سے
دُور نہیں ہو سکتا جب کبھی شیر افگن دہلی یا
آگرہ آئیں گے میں بھی آکر ملوں گی۔ ہاں شوہر
کے جیتے جی اِس زندگی میں اور طرح پر ملاقات
کی اُمید نہیں ہو سکتی۔" یہ کہکر مہر النسا اُٹھی۔
موتی کو تعجب ہوا وہ تو جان گئی مگر مہر النسا
کو اُس کے دل کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ اِس
معاملہ میں موتی نے مہر النسا سے بازی
جیت لی۔"

موتی کچھ ایسی نظر شناس تھی کہ وہ انسان
کو دیکھتے ہی اُس کے دل کی حالت کا پتہ
لگا لیتی تھی۔ یہ قابلیت اُس میں قدرت نے
کُوٹ کُوٹ کر بھر دی تھی۔ مہر النسا کی بات
سُنکر وہ سمجھ گئی کہ وہ جہانگیر پر ہزار جان سے
مفتون ہے اور چاہے لاکھ رکاوٹیں
راستہ میں حائل ہوں مگر بادشاہ اپنی
خواہش پوری کئے بغیر نہ رہیگا۔ موتی
کو دُکھ ضرور ہوا۔ مگر ساتھ ہی اُسے ایک
نئے سُکھ کا خیال آیا۔ وہ آگرہ کی جانب روانہ
ہوئی راہ میں کئی مہینے لگے۔ اور اِس
عرصہ میں وہ برابر غور سے اپنے دل کا
مطالعہ کرتی رہی۔"

چوتھا باب

مزاج میں تبدیلی

موتی آگرہ پہنچی اب اُس کو موتی کہلانے
کی ضرورت نہیں رہی اور وہ یہاں آکر
بالکل تبدیل ہو گئی۔ جہانگیر اِس سے ملا۔
راستہ کی خیریت پوچھی لُطف النسا نے
مہر النسا کی بابت جو کچھ سُنا تھا سچ نکلا۔ جہانگیر
نے پوچھا "مہر النسا نے میری نسبت کیا کہا"
لُطف النسا نے ساری بات بتا دی تو۔ اُس
کو سُنا دیں بادشاہ خاموش ہو گیا آنسو اُس کے
چند قطرے آنکھوں سے بیساختہ گر گئے۔
لُطف النسا، "جہاں پناہ! کنیز نے
خوشخبری سُنائی مگر انعام کا حکم نہیں دیا گیا۔"
جہانگیر بولا "تمہارا انعام دینے کا ارادہ ہے"
لُطف النسا "میں نے ایسا کیا
قصور کیا ہے؟"
بادشاہ "دہلی کے بادشاہ کو تم نے
اپنا غلام بنا دیا اور کچھ بھی انعام مانگتی ہو۔"

کے بعد سمجھا یا کہ تین برس تک شاہی سایہ کے نیچے رہنے پر بھی وہ سکھ کبھی نہیں ملا جو اڑیسہ سے واپسی کے وقت ایک لمحہ کے لئے راہ میں ملا تھا۔"

پیش نواز "میں کیا سمجھوں؟"

لطف النسا "میں اتنے دنوں تک ہندوؤں کی مورتی کی طرح تھی جس میں باہر تو سونا اور چاندی اور جواہرات جڑے رہتے ہیں مگر اندر پتھر رہتا ہے۔ لذات نفسانی کی تلاش میں میں آگ میں گرتی رہی مگر آگ کو نہ چھو سکی۔ اب جلکر دیکھوں کہیں دل کے پیار کا مزہ ملتا ہے یا نہیں۔"

پیش نواز "میں بھی نہیں سمجھتی۔"

لطف النسا "کیا میں نے اس آگرہ شہر میں کبھی کسی کو دل سے پیار کیا ہے؟"

پیش نواز (آہستہ سے) "کسی کو بھی نہیں۔"

لطف النسا "تب پتھر نہیں تو کیا ہوں؟"

پیش نواز "اگر اب پیار کی خواہش ہوئی ہے تو پیار کیوں نہیں کرتیں؟"

لطف النسا "جی تو چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے آگرہ چھوڑ رہی ہوں۔"

پیش نواز "پھر اس غرض سے کیا ہے؟ کیا آگرہ میں آدمی نہیں ہیں جو گنگے سرداوں کے ملک میں جاؤ گی؟ یہاں جو تم کو پیار کرتے ہیں انہیں کو پیار کیوں نہیں کرتی ہو؟ شکل صورت، مال دولت اور حکومت میں دہلی کے بادشاہ سے بڑھ کر کون ہے؟"

لطف النسا "آسمان میں چاند اور سورج کے رہتے ہوئے بھی پانی ہمیشہ نیچے ہی کی طرف کیوں بہتا ہے؟"

پیش نواز "آپ ہی بتا سکتی ہیں۔"

لطف النسا "قسمت میں یہی لکھا ہے۔"

لطف النسا نے تمام باتیں کھول کر صاف صاف نہیں کہیں۔ پتھر میں آگ لگ گئی اور اب وہ پگھلنے لگا ہے۔

چھٹا باب

زیر قدم

کھیت میں بیج بو دینے سے خود بخود انکھوے نکلتے ہیں، انکھوا نکلنے پر اسے کوئی بھی نہیں جانتا، نہ دیکھتا ہے لیکن بیج بونے والا چاہے جہاں سے انکھوا نکل کر چھوٹے درخت

اب نہیں چھوٹ سکتی۔"

پھر اُس نے سر اونچا کیا گردن اُٹھائی اور اپنی رسیلی چتونوں سے نوکمار کو دیکھنے لگی جو دل مُصیبتوں اور سختیوں کے طوفان سے بھی نہ ہلا تھا۔ دم کے دم میں اس کی حالت میں ایک عجیب و غریب تبدیلی آگئی۔ جو غرور دل کی آگ میں جل گیا تھا آج اُس سے روشنی برآمد ہوئی جس طاقت نے ہندوستان کے بادشاہ کی سرکا تو ہا نہ مانا۔ وہی طاقت آج اس کے نازک جسم میں آئی پیشانی پر جھومر اپنی آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ گلے میں نولکھا ہار اور جگنو اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے اُن کے درمیان اُس کا چہرہ پُورنماشی کے چاند کی طرح نُور برسا رہا تھا۔ آنکھیں چڑھا کر ابرؤوں میں بل ڈال کر بولی۔ "اس زندگی میں میں نہیں بھول سکتی۔ تم میرے ہی ہو گے۔"

نوکمار کے دل میں ایک ہلچل سی مچ گئی حُسن کی یہ جلوہ آرائیاں جو اُس نے اُس وقت لطف النسا کے چہرے میں دیکھیں پہلے نظر سے نہیں گذری تھیں اُس نے دُور کے چلنے کے ارادے سے قدم اُٹھائے۔ یکایک جیسے کسی نے پاؤں پکڑ لئے دل میں خیال آیا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی بیوی پدماوتی کو پلنگ سے اُتار دیا تھا گو اُس وقت وہ بہت کمسن تھی۔ مگر مایوسانہ انداز سے بار بار میری طرف دیکھتی تھی۔ ہو بہو اُس کا سر بھی اِسی طرح ہلا تھا۔ تقریب شاید ایسی ہی شکل اس کی بھی ہوگی مجھے یاد نہیں ہے۔ مُدت کی بات ہوئی بہت دنوں بعد آج اس کی یاد آئی۔" یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر ضبط کے آہستہ لہجہ میں پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

لطف النسا کا چہرہ جوش سے گلگوں ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک آگئی۔ بولی "میں پدماوتی ہوں۔"

جواب کا انتظار نہ کر کے وہ وہاں سے ہٹ گئی اور نوکمار بھی شک و شبہ میں پڑا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

ساتواں باب

جنگلی علاقہ

دوسرے کمرے میں جا کر لطف النسا نے دروازے بند کر لئے دو دن تک وہ

اُس سے باہر نہ نکلی۔ دل ہی دل میں خوب
سوچتی رہی تب جاکر دل کو کچھ قرار آیا۔ شام
کے وقت پیش نواز نے اُس کے کپڑے
بدلوائے لباس اور طرح کا تھا۔ اُس نے پوچھا
کیوں پیش نواز! کیا اس لباس میں کوئی مجھے
پہچان سکتا ہے؟"

پیش نواز۔ "کیا مجال کوئی پہچان سکے!"

لطف النساء۔ "تو میں چلی۔ کوئی غلام
یا کنیز میرے ساتھ نہ آئے۔"

پیش نواز کو حیرت ہوئی "اگر قصور
معاف ہو۔ تو میں ایک بات پوچھوں۔"

لطف النساء۔ "کیا ہے"

پیش نواز۔ "آپ کیا کرینگی ہیں؟"

لطف النساء۔ اس وقت تو کپال کنڈلا
کو اس کے شوہر سے جدا کرانا ہے۔ پھر وہ
میرا ہو جائیگا۔"

پیش نواز۔ "بی بی! اچھی طرح سوچ لو۔
جنگل گھنا اور خوفناک ہے۔ رات ہوگئی ہے
آپ اکیلی ہیں۔"

لطف النساء نے کچھ جواب نہ دیا، چلی
گئی سپت گرام کے اُس جنگلی حصے میں جہاں
نوکمار کا گھر تھا۔ وہ وہاں پہنچی۔ رات زیادہ
ہوگئی تھی۔ قریب کے جنگل میں پہنچ کر وہ ایک
درخت کے نیچے بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ وہ
نہایت باحوصلہ عورت تھی۔ دور سے کچھ روشنی
دکھائی دیتی تھی۔ اور آواز بھی آرہی تھی۔
پہلے درخت کی اوٹ سے دیکھا۔ آگ جو
جل رہی تھی وہ ہوم کی آگ تھی اور آواز
منتر پڑھنے کی۔ دھن تھی منتر کو تو وہ کیا سمجھ
سکتی تھی۔

ہوم کرنے والے کے پاس جاکر بیٹھ گئی
اب کپال کنڈلا کا کچھ حال سنیئے۔"

چوتھا حصہ

پہلا باب

رات

لطف النساء کے آگرہ جانے اور وہاں
سے سپت گرام آنے میں تقریباً ایک برس لگ
گیا ہوگا۔ کپال کنڈلا کو نوکمار کی زوجیت میں
آئے ہوئے ایک برس سے زیادہ عرصہ گذر

کپال کنڈلا۔ "کیوں؟"

نوکمار۔ "کہاں جاتی ہو؟"

نوکمار کی باتوں میں سخت ملامت کا ذرا بھی شمول نہیں تھا۔"

شیاما سندری اپنے شوہر کے بس میں کرنے کے لیے جڑی بوٹی چاہتی ہے میں اسی کی تلاش میں جا رہی ہوں۔"

نوکمار۔ "کل بھی تو گئی تھیں آج پھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

کپال کنڈلا۔ "کل باوجود تلاش کے بھی وہ نہیں ملی آج پھر ڈھونڈوں گی۔"

نوکمار۔ "کیا یہ کام دن میں نہیں ہو سکتا ہے" یہ بات اس نے محبت آمیز لہجہ میں کہی تھی۔

کپال کنڈلا۔ "دن میں لانے سے دوا اثر سے خالی رہتی ہے۔"

نوکمار۔ "پھر تم ہی کیوں جاتی ہو کیا ضرورت ہے مجھے بتا دو میں لا دوں۔"

کپال کنڈلا۔ "میں اُسے صرف پہچانتی ہوں نام نہیں جانتی۔ اگر تم ساتھ چلو گے تو پھر اثر نہ ہوگا۔ عورتوں کو اپنی لٹ جھٹکا کر اکھیڑنا پڑتا ہے تم دوسرے کے کام میں خلل انداز نہ ہو"

یہ بات کپال کنڈلا نے طعن آمیز لہجہ میں ناراضگی کے ساتھ کہی تھی۔ نوکمار نے کوئی روک ٹوک نہیں کی۔ بولا "چلو میں تمہارے ساتھ چلونگا۔"

کپال کنڈلا کو بُرا معلوم ہوا۔ اُس نے طعن آمیز انداز سے کہا "آؤ چلو دیکھیں اعتبار کے قابل ہوں یا نہیں۔ اس کا پتہ لگ جائے گا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا"

نوکمار نے کچھ نہیں کہا۔ ایک گہرا سانس لیا۔ کپال کنڈلا کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ اکیلے جنگل کی طرف چلی گئی۔"

دوسرا باب
جنگل

سپت گرام کا یہ حصہ جنگلی تھا پہلے کہا جا چکا ہے کہ گرام سے کچھ ہی دور پر گھنا جنگل تھا۔ رات بہت سہانی تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر ستارے چمکتے ہوئے تھے۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ دور دیکھا رہی تھی۔ چاندنی کی صاف شفاف جھلکیں درختوں کے ٹھنڈے ٹھنڈے پتوں پر آ رہی تھیں ہر چہار طرف خاموشی کا عالم تھا۔

جا بجا طراوت بخیر سفید پھول کھلے ہوئے تھے پرندوں کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی۔ ہاں رہ رہ کر کوئی مادہ پرند اپنے جوڑے کی جدائی میں حسرت بھری آواز سے بول اٹھتی تھی۔ اور کبھی کبھی خشک پتوں کے گرنے سے ان کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز کانوں میں آ جاتی تھی نسیم بوئے شمیم آکر آہستہ آہستہ چلتی تھی۔ اس کے جھونکوں سے نازک ٹہنیوں کے پتے گرمی کے پنکھوں کی طرح ہل جاتے تھے کہیں کہیں آسمان پر سفید بادل آہستہ آہستہ اپنی چال سے ایک دلفریب نظارہ کا سماں دکھاتے تھے ہوا اور بادلوں کی دھیمی رفتار میں ایک طرح کے خواب کی پُر سرور کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔"

کپال کُنڈلا بیداری کی حالت میں تھی یکایک ریت کے ٹیلے پر ساحل کے خوبصورت درختوں کے نظارہ کی کشش کی اُن کو یاد آ گئی۔ آسمان کی طرف اپنی مایوسانہ نگاہیں ڈالیں اس کے بادلوں میں سمندر کی لہروں کے تماشے کی دلفریب جھلک نظر آئی اس خیالی نظارہ سے دل پر ایک خاص قسم کی محویت طاری ہو گئی۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھائے جنگل اور بھی گھنا دکھائی دینے لگا۔ سر پر گھنے درختوں کی شاخوں نے چاند کی روشنی میں ایک دھندلا پن پیدا کر دیا۔ تاریکی میں راستہ نظر آنا مشکل ہو گیا۔ اُس کا چہرہ اِس نظارے سے مایوسی کا ایک مجسم فوٹو ہو گیا اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی دیکھا جنگل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ لطف النسا نے بھی یہی آگ جلتی ہوئی دیکھی تھی کپال کُنڈلا کی طبیعت فطرتاً بہت بے خوف واقع ہوئی تھی وہ اسی طرف چلی جدھر سے روشنی آتی تھی آگ روشن تھی مگر نہ آدمی نہ آدم زاد کا نشان وہاں کوئی نہ تھا۔ ایک جگہ ٹوٹا پھوٹا ہوا مکان اینٹوں سے بنا ہوا دکھائی دیا۔ تمام مکان میں صرف ایک ہی کمرہ تھا اس کے اندر سے بات چیت کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ قریب گئی دو آدمیوں کی آواز سنائی دی جیسے وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے یہ پہلے ان کی بات چیت کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ غور سے سننے پر کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا۔ ایک نے کہا۔ میری خواہش مارنے کی ہے اگر اس سے تم متفق ہو اگر نہیں تو میں تمہاری مدد نہ کرونگا۔ تم بھی میری مدد نہ کرنا۔"

دوسرا بولا۔ "میں بھی تو قتل نہیں چاہتا مگر صرف ضرورت کے لئے کام کرتا ہوں۔ تو بھی کسی کی مقتیا (خون) نہیں کرتا بلکہ ہم

گھنے جنگل میں رات کے وقت تم کیا بُرا شور و کر رہے ہو؟" اب تو یہ دوسرا شخص بھی حیرت میں آ گیا فکر دامنگیر ہوئی مگر اس کو ایک تدبیر سوجھ گئی اور وہ کپال کنڈلا کا ہات پکڑ کر کچھ دور لے گیا۔ کپال کنڈلا کو غصہ آگیا۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فوراً اپنا ہات چھڑا لیا۔ اس نے کہا "فکر نہ کرو میں مرد نہیں ہوں۔"

کپال کنڈلا کی حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ کچھ تو اس کی باتوں پر اعتبار آیا اور کچھ نہیں۔ وہ اس کے ساتھ کچھ دور گئی۔ پھر اس بھیس بدلی ہوئی عورت نے جھک کر اس کے کان میں کہا "جو بُرا شور و ہم لوگ کر رہے ہیں کیا تم سننا چاہتی ہو؟ وہ تمہارے ہی نسبت ہے۔"

کپال کنڈلا مفصل حالات جاننے کے لئے بیقرار ہوگئی۔ بیتابانہ انداز سے بولی۔ "ہاں! میں سنوں گی"

دوسری عورت نے کہا "جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہاں ہی ٹھہری رہو۔"

وہ کھنڈر میں چلی گئی۔ کپال کنڈلا کچھ دیر تک وہاں ہی بیٹھی رہی مگر جو بات اس نے سنی تھی اس سے دل میں خوف پیدا ہوگیا۔ قید بند کی تنہائی پسند نہیں ہوتی۔ وہ سوچنے لگی "یہ کون ہے؟ مجھے کیوں یہاں بٹھا گیا؟ ممکن ہے بدنیتی سے وہ یہاں مجھے بٹھا گیا ہو۔"

زیادہ دیر ہونے پر بھی وہ بیٹھ نہ سکی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ قدم بڑھایا۔ گھر کی طرف چل دی۔ اس وقت آسمان کو یکایک بادل منڈلانے لگے۔ جو آگ جنگل میں جل رہی تھی بجھنے لگی۔ اس نے قدم بڑھایا۔ دیر کرنے سے خوف تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے۔ سمجھی وہی برہمن ہوگا۔ اس نے جنگل کی راہ چھوڑ دی۔ دوسری سمت نکلی۔ یہاں اس قدر اندھیرا نہیں تھا۔ ایک دوسرے کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ تیزی سے چلنے لگی۔ آسمان اور بھی تاریک ہوگیا۔ گھر پاس ہی تھا۔ آندھی پانی کے آثار نمودار ہوئے۔ ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھی کہ آندھی آگئی اور پانی برسنے لگا۔ بجلی چمکنے لگی۔ بادل گرجنے لگے۔ پھر تو موسلا دھار بارش شروع ہوئی۔ کپال کنڈلا گھر پہنچی۔ صحن سے گذر کر برآمدے میں آئی۔ دروازہ جوں کا توں کھلا تھا۔ دروازہ میں داخل ہونے سے پیشتر اس نے دیکھا کہ صحن میں ایک سیاہ رنگ کا لمبا چوڑا آدمی کھڑا ہے۔ عین اسی وقت بجلی چمکی اور بجلی کی چمک میں اس نے اس سیاہ فام آدمی میں کپالک کی صورت دیکھی اور اسے پہچان لیا۔"

تیسرا باب

خواب

کپال کنڈلا نے آہستہ آہستہ دروازہ بند کر لیا اور خوابگاہ میں آکر پلنگ پر لیٹ گئی۔ انسان کا دل بھی ایک طرح کا سمندر ہے۔ اس کی سطح پر جو لہریں اٹھنے لگتی ہیں ان کا شمار کوئی کیونکر کر سکتا ہے؟ اس وقت اس کے دل میں جو خیالات کی لہریں اُٹھنے لگیں انکا بھی شمار کرنا مشکل تھا۔ اس رات کو نوکمار اپنی تشویش کی وجہ سے کپال کنڈلا کے پاس نہیں آیا۔ وہ اکیلی سو رہی مگر نیند نہیں آئی۔ بار بار کروٹیں بدل[illegible] کی۔ [illegible] اندھیرے [illegible] اس صورت کو چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس کو یاد آ گیا کہ وہ کس طرح نوکمار کو دھوکا دے کر چلی آئی ہے۔ نوکمار کا [illegible] سے [illegible] واقعات سب یاد تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تھا۔ خوف سے کانپ اٹھی۔ دل دہل گیا۔ [illegible] ہو گئے۔ [illegible] تمام واقعات کی [illegible] تصویر [illegible] کے سامنے ناچنے لگی۔ [illegible] نوکمار کو [illegible] جنگل کی طرف جاتا

جنگل کی خوفناک تاریکی میں آگ کی روشنی دیکھنا۔ برہمن کا ملنا اُن کی باتیں سننا۔ یہ سب بھولنے والے واقعات تھے۔ جب مشرق میں اُفق کی شعاعیں کچھ کچھ نظر آنے لگیں اس وقت کپال کنڈلا کو نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتی کیا ہے کہ کشتی میں بیٹھ کر وہ سمندر میں جا رہی ہے۔ کشتی آراستہ ہے۔ اس پر بسنتی پھریرا لہرا رہا ہے اور ملاح پھولوں کی مالا پہنے ہوئے دلکش سُروں میں رادھا شیام کا گیت گا رہے ہیں۔ مغرب میں سورج اپنے طلائی کرنوں سے سمندر کی لہروں میں سونا بکھیر رہا ہے۔ سمندر گویا ہنس رہا ہے۔ اور آسمان میں لہراتے ہوئے بادلوں کے عکس طلائی پانی کے اندر غوطے لگا رہے ہیں۔ سنہری بادل نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور کالی گھٹاؤں نے تمام آسمان گھیر لیا۔ سمندر میں اب پتہ نہیں لگتا کہ کشتی کدھر کو جا رہی ہے۔ ملاحوں نے کشتی کا رُخ پھیر دیا۔ خبر نہیں کس طرف لئے جا رہے ہیں۔ [illegible]

سکی گیت گا گا موقوف کر دیا کشتی پھر بہ خود بخود پانی میں گر پڑا اور سمندر کی لہروں سے ایک جٹا دھاری آدمی نکلا اُس نے کپال کنڈلا کو اپنے دونو ہاتھوں سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور اُسے سمندر میں ڈبانے پر آمادہ ہوا اس وقت وہی برہمن کی صورت شکل کی عورت آکر پوچھنے لگی "تم کو بچاؤں یا سمندر میں غرق کر دوں" کپال کنڈلا بول اُٹھی "ڈبا دو" برہمن کی شکل والی عورت نے کشتی چھوڑ دی اور بولی "میں اور زیادہ بوجھ نہیں اُٹھا سکتی میں پاتال میں داخل ہونگی" اور وہ اس کشتی میں پھینک کر پاتال کو چلی گئی ؛

کپال کنڈلا کی آنکھ کھل گئی تمام جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا دیکھا صبح ہو گئی تھی۔ کھڑکی کھلی تھی بسنت رُت کی رُوح افزا ہوائیں سناٹا سناٹا سے چل رہی تھیں درختوں کی شاخوں پر پھدکتے ہوئے پرند چہچہا رہے تھے کھڑکی پر چند پھیدار بیلوں کی شاخیں لٹک رہی تھیں پھولوں کی دلکش اور سنیلی بھینی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔ کپال کنڈلا نے ان شاخوں کو ہاتھ سے چھوا اور ان کی بکھری ہوئی ٹہنیوں کو باندھنے لگی یکایک اس میں سے ایک خط نکلا۔ کپال کنڈلا پڑھی لکھی تھی۔ پجاری نے اُس کو بنگالی حروف سکھا دیے تھے۔ خط کھولا اس میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی :-

"آج شام کے بعد کل رات والے نوجوان برہمن سے ملاقات کرنا تمہاری نسبت جو باتیں ہو رہی تھیں اُنہیں تم ایک ایک کرکے سن سکوگی"

چوتھا باب

غور و فکر

کپال کنڈلا اس دن شام تک غور و فکر میں ڈوبی ہوئی یہی سوچتی رہی کہ آیا اس برہمن کے بھیس والی عورت سے ملنا مناسب ہے یا نہیں پتی ورتا اور با عصمت عورت کا غیر مردوں کے ساتھ رات کے وقت جانا مناسب نہیں ہے۔ اس کی فکر نہیں تھی فکر صرف یہ تھی کہ آیا ملنا مناسب ہے یا نہیں کیونکہ عورتیں عورتوں کے ساتھ ہر وقت مل سکتی ہیں۔

دیکھا کہ کپال کنڈلا کی ملاقات ایک نوجوان برہمن سے ہوئی
ہے وہ آج بھی اسی سے ملنے جا رہی ہے دیکھنا منظور
ہو تو میرے ساتھ چلو میں تمہیں دکھا دوں گا۔
کپال کنڈلا اس قابل ہے کہ فوراً قتل کر دی جائے
میں بھیوانی کے حکم سے اسے ذبح کر دونگا۔ اس سے پہلے
تمہارے ساتھ بیوفائی کی ہے تم کو بھی اسکے قتل میں شریک
ہونا چاہیے اس بیوفا عورت کو پکڑ کر میرے حوالہ کر دو
پھر کے اشمشان پر چھپا بیٹھ ہاتھ سے اس کو ذبح کرو
ایسا کرنے سے مائی بھگوتی تمہارا قصور معاف کر دیگی
اور اس نیک کام کا تمہیں بہت بڑا ثواب ملیگا۔
بیوفا عورت سزا کے قابل ہے اُس سے ہر طرح بدلہ
لینا مناسب ہے۔
اتنا کہکر کپالی خاموش ہو گیا نوکمار نے کچھ جواب نہیں دیا
تب کپالی پھر مخاطب ہوا "ونس! چلو! میں تمہیں
دکھا دوں" نوکمار کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا تھا
اُٹھا اور کپالی کے پیچھے پیچھے چل کھڑا ہوا۔"

ساتواں باب

سوت کی باتیں

گھر سے نکلکر کپال کنڈلا جنگل میں گھسی وہاں
برہمن کو دیکھا اگر دن کا وقت ہوتا تو جان جاتی کہ یہ
کچھ ہے چہرہ پہ ہوائیاں اُڑ رہی ہیں مگر رات کو
کیا معلوم ہو سکتا تھا! اُس نے کہا "یہاں کپالی
آتا ہوگا یہاں ٹھہرنا مصلحت نہیں ہے اور جگہ چلو"
جنگل میں ایک صاف ستھری جگہ تھی جسکے چاروں
طرف سر بفلک درخت کھڑے تھے انہیں کے پاس سے
ایک راستہ بھی گیا تھا برہمن بھیس والی عورت کپال
کنڈلا کو وہاں لے گئی دونو زمین پر بیٹھ گئیں پھر
اُس نے کہا "پہلے میرا حال سنو تو کیا ہے اعتبار
کے قابل ہے تم خود سمجھ جاؤ گی جب تم اپنے شوہر
کے ساتھ آ رہی تھیں راہ میں تم ایک مسلمانی
عورت سے ملی تھیں کیا تمہیں یاد ہے؟"
کپال کنڈلا "جو تم سے بغلگیر ہوئی تھی؟"
عورت "ہاں! میں وہی ہوں"
کپال کنڈلا ڈری اور متحیر نگاہوں سے اُس
کی طرف دیکھنے لگی۔ لطف النسا اُس کو متحیر دیکھ
کر بولی "اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ میں
تمہاری سوت ہوں۔"
کپال کنڈلا "کیونکر؟"
تب لطف النسا نے پُرانی باتیں سنا اپنے خاندان
کے مسلمان ہو جانیکا حال بتایا۔ آگرہ میں جہانگیر

صرف یہ سبب ہے یہ کام میں نے بغیر کسی غرض کے
نہیں کیا۔ میں تمہاری جان بچانی چاہتی ہوں۔ تم بھی میرا کچھ
کام کرو۔"

کپال کنڈلا۔ "میں کیا کروں؟"

لطف النسا۔ "شوہر کو چھوڑ دو۔"

کپال کنڈلا کے پاؤں کے نیچے سے جیسے
زمین کھسک گئی۔ اس کی حیرت کا ٹھکانا نہیں رہا۔
وہ ذرا دیر خاموش رہ کر بولی "شوہر کو چھوڑ کر کہاں
چلی جاؤں؟"

لطف النسا۔ "غیر ملک میں بہت دور۔
وہاں میں تمہارا انتظام اچھی طرح کر دوں گی۔ نوکر چاکر سب تمہاری
خدمت کریں گے اور تم رانی کی طرح رہو گی۔"

کپال کنڈلا پھر سوچنے لگی۔ آسمان اور زمین
میں کہیں بہتری کی صورت نظر نہ آئی۔ نوکمار بھی
نہ دکھائی دیا۔ پھر اپنے دل میں سوچنے لگی کہ کیوں لطف النسا
کی خوشی میں خلل انداز ہوں؟

کپال کنڈلا نے کہا "تم نے مجھ پر احسان کیا
ہے۔ میں یہ نہیں جانتی تھی [illegible]
کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری خوشی میں
خلل انداز نہ ہوں گی۔ تمہارا مقصد پورا ہو۔ کل سے
تمہیں میرا پتہ بھی نہ لگے گا۔ میں شوہر کے گھر سے نکل کر
وحشیوں میں جہاں سے آئی تھی وہیں چلی جاؤں گی
جنگل ہی میں رہوں گی۔" لطف النسا کو تعجب ہوا۔

اسے کیا خیال تھا کہ [illegible]
درخواست منظور کر لے گی۔ اسے اس کی کبھی امید بھی
نہیں تھی۔ مسرت آمیز لہجہ میں بولی "تم کو خدا خوش رکھے
تم نے مجھے زندگی دی ہے۔ کل میری لونڈی تمہارے
پاس آئے گی۔ [illegible] ایک معزز خاتون رہتی ہے
وہ تمہاری مدد کرے گی۔"

لطف النسا اور کپال کنڈلا اپنی باتوں میں مصروف
تھیں کسی دوسرے کا خیال نہیں تھا۔ نوکمار اور کپالی دونوں
آڑ میں کھڑے تھے۔ انہوں نے لطف النسا کو نہیں دیکھا۔ ان
دونوں نے نہیں صرف دیکھا ہی تھا مگر بدقسمتی سے
ان کی بات نہ سن سکے۔ اگر ایسا ان کی نظر دور بیں
ہوتی [illegible] اور یہ دنیا اس کی
جگہ بن گئی ہوتی۔ نوکمار نے دیکھا کہ کپال کنڈلا
کے بال بکھرے ہوئے ہیں [illegible]
کی اور اس ظاہری [illegible] کی پیٹھ پر ہاتھ دیئے ہوئے
پاس بیٹھی ہوئی ہے۔"

کپال کنڈلا کے بال بہت بڑے تھے۔ لطف النسا
کی پیٹھ پر لہرا رہے تھے۔ یہ نظارہ دیکھ کر نوکمار زمین پر
بیٹھ گیا اور فکر میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔

کپالی نے کہا "وتس! تم کمزور ہو گئے ہو
لو یہ دوا پی لو [illegible]"

کپالی نے بوتل نوکمار کے منہ سے لگا دی۔
اس نے پی لیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ شراب ہے۔

وجہ سے خواہ کچھ ہی کہیں در اصل ہم دنیاوی سکھوں
کی ہی چاہ رکھتے ہیں سکھ کی زبردست آرزو سب
سے ہے مگر کوئی دکھ نہیں چاہتا جب سکھ نہیں ملتا
تب گھبرا اٹھتے ہیں اور زندگی بوجھ معلوم ہوتی ہے۔
دکھ کا سبب مزاج اور طبیعت کے خلاف کام کا
ہونا ہے ورنہ ہر جگہ سکھ ہی سکھ ہے۔ ہم اسے
چھوڑنا نہیں چاہتے ایک وہ سبب ہے ہم سب
تعلقات کی زنجیر سے جکڑے ہوئے رہتے ہیں۔
کپال کنڈلا کو اس زنجیر نے جکڑا نہ تھا پھر اُسے
مرنے سے کون روکتا ہے جس کو کسی کی پروا نہیں
ہے اُس کو آزادی ہے وہ جو چاہے کرے
کرلے وہ مذہب کے نام پر اتنا ہو سکے کے خیال سے
اپنے آپ کو قربان بھی کر سکتی ہے کپال کنڈلا
اُدبھُت طبیعت کی عورت تھی بلند نظر کو نیچے کی طرف
کرنے کو کون مجبور کر سکتا ہے؟"
کپال کنڈلا نے اپنے دل سے پوچھا کیوں
یہ جسم جگدمبا بھوانی کے نذر نہ کیا جائے عناصر
جسم کو لیکر کیا ہوگا عناصر کس کام کے ہیں! یہ بھی
قید و بند کے سامان ہیں۔"
کپال کنڈلا سر جھکا کر چلنے لگی۔ جو لوگ اپنے
کسی خیال میں محو ہوتے ہیں اکثر آس پاس اور گرد
کے حالات واقعات اور اثرات نہیں رہتا ہے اس لئے
رہتا ہے وہ اسی حالت میں تھی۔ آواز آئی "ٹھہر!

میں راہ دکھاتا ہوں"۔ کپال کنڈلا نے آواز سنکر
سر اٹھایا آسمان کو دیکھا وہ سرخی مجسم نظر آیا۔"
ستارے منڈمال کی طرح نظر آنے لگے یہ صرف
اسکا خیال ہی خیال تھا وہ مرنے کو تیار تھی خون کا
خیال دل پر حاوی تھا دیوی خون کی پیاسی ہے
اُس کا عقیدہ تھا۔ گویا وہ اُسے پکار رہی تھی اور
یہ جانے کو تیار تھی۔"
وہ سر اُٹھا کر چلی۔ نوکمار اور کپالی کو کیا
خبر کہ وہ کس خیال میں محو ہے۔ نوکمار کے دل میں
حسد کی آگ بھڑک رہی تھی اُس نے کہا "کپالی!"
اُس نے جواب دیا "کیا؟" اُس نے کہا "پیاس سے
پانی دے"۔ اُس نے شراب پلا دی۔"
نوکمار "اب کیا دیر ہے؟"
کپالی "دیر نہیں ہے۔"
نوکمار نے پکارا "کپال کنڈلا!"
اُس نے سر اٹھا کر دیکھا کہ کون پکارتا
ہے اکھڑی ہو گئی۔ دونوں پاس آگئے۔ وہ
پہلے پہچان نہ سکی۔ پوچھا "کیا تم یم کے دوت
ہو؟" جواب ملا "نہیں" پھر اُس نے کپالی کو
پہچان لیا۔ بولی "پتا جی! کیا مجھے بلیدان دینے
آئے ہو؟" نوکمار نے کپال کنڈلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔
کپالی نے کہا "ٹھہر! میرے ساتھ آؤ"۔ اور وہ
شمشان کی طرف چلا گئے وہ پیچھے پیچھے ہو لی!

نوکمار نے آسمان پر نظر ڈالی اسکے خیال میں کالی آسمان پھیل رہی تھی ستارے اُس کے ہنسنے والے مُنہ کے دانت کی شکل میں نظر آنے لگے ایک طرف ستاروں کی سیدھی قطار تیز ترسول کی شکل کی نظر آئی۔ نوکمار اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا ۔

نواں باب

شمشان بھومی

چاند غروب ہو گیا چاروں طرف گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی آسمان پر چند شوخ ستارے گھور رہے تھے کپالی نے جہاں پُوجا کی جگہ مقرر کی تھی وہاں کپال کنڈلا کو لے گیا۔ گنگا کے کنارے ایک تپی تھی اُسی سے ملا ہوا ایک ٹیلا میدان تھا وہی شمشان یعنی مُردہ جلانے کی جگہ تھی یہ ریتلی زمین جوار کے وقت بھی خشک نہیں ہوتی تھی۔ مگر وہاں پانی نہیں تھا۔ ریت اُونچی تھی پانی لینے کے لئے نیچے اُترنا پڑتا تھا اس کے سوا ہوا کے جھونکے اور لہروں کے تھپیڑوں سے کنارے کی زمین ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے پانی میں گرتی تھی پُوجا کی جگہ کوئی چراغ نہیں تھا۔ صرف لکڑی جل رہی تھی شمشان کی جگہ اور بھی خوفناک تھی پاس ہی پُوجا ہوم اور بلدان کا سامان رکھا ہوا تھا تاریکی زمین کے سینہ پر سوار ہو گئی تھی اور ہوا کے گھوڑے اُس پر تیزی سے دوڑ رہے تھے آدمیوں کی لاش پر زندگی بسر کرنے والے جانور جہاں تہاں رہتے تھے ۔

کپالی نے نوکمار اور کپال کنڈلا کو آسن پر بٹھایا۔ نوکمار سے کہا "اسے سنان کرا لاؤ" وہ اسکا ہاتھ پکڑ کے نیچے اُترا۔ زمین کے کرشمے پاؤں کے صدمے سے نیچے گرنے لگے نوکمار کا پاؤں شمشان کے کلس سے ٹھوکر کھا گیا۔ مٹی کا ٹھیلہ ٹوٹ گیا پاس ہی ایک اور لاش پڑی تھی بدنصیب مُردہ کا کسی نے سنسکار تک نہیں کیا تھا۔ اُن کے پیر اُس لاش پر پڑے۔ کپال کنڈلا اسے لانگھ گئی۔ نوکمار اس پر چڑھ کر چلا۔ چاروں طرف مردم خور جانور گھوم پھر رہے تھے۔ آدمیوں کی آہٹ پا کر وہ شور مچانے لگے۔ کوئی کاٹنے کے لئے دوڑا کوئی بھاگنے لگا۔ کپال کنڈلا نے دیکھا۔ نوکمار کا ہاتھ کانپ رہا ہے اور بس بھی اس وقت بیخودی طاری ہے۔ مگر

کپال کنڈلا نے پوچھا۔ "ڈرتے کیوں ہو؟"
نوکمار کا نشہ ہرن ہو چلا تھا۔ متانت آمیز
لہجہ میں بولا "مرن مئی! ڈرنا کیسا ہے؟ ڈرتا
نہیں ہوں۔"
کپال کنڈلا "پھر کانپتے کیوں ہو؟"
یہ سوال ایسے لہجہ میں کیا گیا تھا جو کسی
اور دوسرے کی حالت پر ترس کھائی ہوئی صرف
عورت کی زبان ہی سے مخصوص ہے۔ پگھلی ہوئی زبان
کی تاثیر عجیب غریب اثر رکھتی ہے کون کہہ سکتا
تھا کہ ایسی زندگی ... سانت میں کپال کنڈلا کے منہ
سے ایسی آواز نکلے گی تو
نوکمار "ڈرتا نہیں رو نہیں سکتا۔
غصہ کے تھپیڑے کھا رہا ہوں۔"
کپال کنڈلا نے پھر اسی لہجہ میں پوچھا۔
"تم رو گے کیوں، رونے کی کیا بات ہے؟"
نوکمار "مرن مئی! کیا تم جانتی ہو کہ ..."
اتنا کہتے کہتے دفعۃً اس کی زبان پر خاموشی کی
ایک مہر سی لگا دی۔ ذرا دل کو مضبوط کر کے
حسرت آمیز لہجہ میں بولا "تم تو کبھی کا ... دیکھو
کبھی تم خود رفتہ نہیں ہو" یہ کہتے کہتے
پھر نوکمار کا گلا بھر آیا بولا "تم اپنے کسی ... کی
لاش کو سمشان تک بھی پہنچانے نہیں گئی ہو"
آنسوؤں کا ایک سیلاب امنڈ آیا اور وہ پانی

سب کچھ ایسی پر جوش روانی میں بہہ گیا
ضبط کا لنگر اکھڑ گیا۔ خود فراموشی کا عالم
طاری ہو گیا اور نوکمار روتے روتے
بے تاب ہو کر کپال کنڈلا کے پیروں کے پاس گر پڑا
بھرائی ہوئی آواز سے بولا "مرن مئی!
کپال کنڈلا! میری حفاظت کر۔ تیرے قدموں
پر گرا ہوں ایک دفعہ کہہ دے کہ تو بیوفا نہیں ہے
ایک دفعہ صرف ایک مرتبہ اور میں تجھے ان
آنکھوں کی پتلیوں پر بٹھا کر گھر لے چلوں گا۔
اللہ کے لئے اپنے اوپر ایسا ظلم نہ کر" کپال کنڈلا
پر ایک عجیب غریب حالت طاری تھی۔ اس نے
نوکمار کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور بھرائی ہوئی
آواز سے کہا "یہ بات تم نے پہلے نہیں پوچھی
تھی" جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں دونوں
پانی کے کنارے تھے کپال کنڈلا ندی کی
طرف پیٹھ کئے کھڑی تھی اس کے ایک ہی قدم
کے فاصلہ پر پانی تھا جوار کا وقت آ گیا تھا۔
اس نے پھر کہا "تم نے تو پوچھا نہیں تھا" نوکمار نے
بیخودی کے لہجہ میں کہا "میرے ہوش حواس
ٹھکانے نہیں تھے۔ پوچھتا کیسے مرن مئی!
کہو! کہو! مجھے بچا لو میری جان جا رہی ہے
گھر چلو!"
کپال کنڈلا "جو پوچھو وہ بتاؤں آج تم